ماہنامہ
جہد حق

پاکستان کمیشن
برائے انسانی حقوق

HRCP

جلد نمبر22......شمارہ نمبر04......اپریل 2015......قیمت 5روپے

Monthly JEHD-E-HAQ - April 2015 - Registered No. CPL-13

میں نے پوچھا،
ہندو ہو یا مسلمان ؟
بھیانک ترین
جواب ملا۔۔!
بھوکا ہوں صاحب۔!

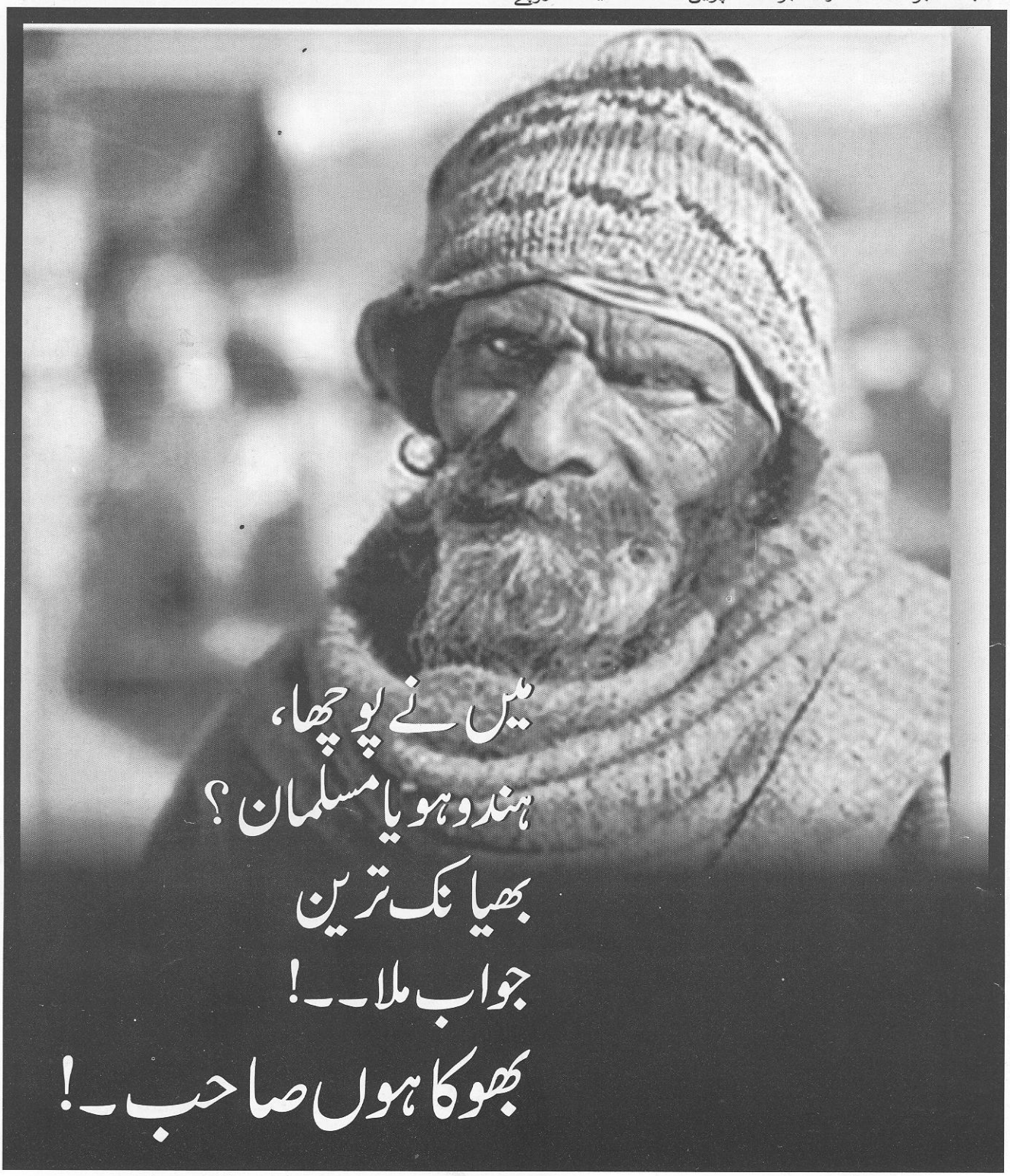

یوحنا آباد کے واقعات کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کی جائیں

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے یوحنا آباد کی مسیحی برادری کی ان شکایات پر تشویش کا اظہار کیا ہے کہ پولیس دو افراد کو جلائے جانے کے واقعے میں ملوث ہونے کے شبے پر لوگوں کو جابرانہ طریقے سے گرفتار کر رہی ہے۔ ایچ آر سی پی نے علاقے میں پائے جانے والے خوف و ہراس پر بھی تشویش کا اظہار کیا ہے۔

کمیشن نے قانون نافذ کرنے والے اداروں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے آپریشن، بالخصوص وہ جو مشتبہ افراد کی تلاش اور گرفتاری سے متعلق ہیں، اس طرح سے انجام دیں کہ اس سے مسیحی برادری کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ غیر محفوظ ہیں اور ان کی خلوت اور آزادی میں بے جا مداخلت کی جا رہی ہے۔

جمعہ کو جاری ہونے والے ایک بیان میں ایچ آر سی پی نے کہا: ''ایچ آر سی پی کی تحقیقاتی ٹیم نے مسیحی برادری کی ان شکایات کی تصدیق کی ہے کہ پولیس اہلکار گزشتہ اتوار دو گرجا گھروں پر ہونے والے جان لیوا دہشت گردانہ حملوں کے بعد دو افراد کو جلائے جانے کے وقوعے کی تحقیقات کے دوران ان کے حقوق اور وقار کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ پولیس آدھی رات کے بعد لوگوں گھروں پر چھاپے مار کر انہیں دھمکاتی ہے اور خواتین اور دیگر افراد کے ساتھ بری طرح پیش آتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سو سے زائد مسیحی شہریوں کو گرفتار کیا گیا اور انہیں کسی بھی عدالت میں پیش کئے بغیر ان پر تھرڈ ڈگری کا استعمال کیا گیا۔ دکانداروں سمیت کئی لوگ اس اذیت سے بچنے کے لئے علاقہ چھوڑ گئے ہیں۔ بہت سی خواتین نے ایچ آر سی پی کے تفتیش کاروں کو بتایا کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کا پتہ لگانے کی کوشش کی جنہیں پولیس نے گرفتار کیا تھا لیکن ان کی کوششیں رائیگاں گئیں۔

''ایچ آر سی پی مسلم برادری میں پائے جانے والے غم و غصے کے جذبات کو سمجھتا ہے لیکن انہیں اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہئے۔ اگرچہ دونو جوانوں کا قتل انتہائی قابل مذمت ہے تاہم دو گرجا گھروں پر ہونے والے حملوں کے نتیجے میں درجنوں سے زائد افراد کی ہلاکت کے بعد ہجوم میں پایا جانے والا اشتعال مکمل طور پر بلا جواز نہیں تھا۔ اگرچہ قانون کو اپنا کردار ادا کرنا چاہئے تاہم حکام کو یہ تاثر نہیں دینا چاہئے کہ وہ اقلیتی برادری کے حقوق کو دہشت گردوں سے تحفظ فراہم کرنے کی نسبت دونو جوانوں کی گرفتاری میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ اعلیٰ حکام اور سیاسی قائدین کو مسیحی برادری کے خدشات دور کرنے چاہئیں اور مختلف برادریوں کے درمیان امن و ہم آہنگی بحال کرنے کے لئے ہر ممکن اقدام کرنا چاہئے۔''

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 28 مارچ 2015]

ماما قدیر اور دو دیگر کارکنوں کو بیرونِ ملک سفر سے روکنا قابل مذمت ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے انسانی حقوق کے ان تین بلوچ کارکنون کو بیرون ملک سفر کرنے سے روکے جانے کی شدید مذمت کی ہے جنہیں حکام نے مطلع کیا تھا کہ ریاست مخالف سرگرمیوں کی وجہ سے ان کے نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ (ای سی ایل) میں شامل ہیں۔

جمعرات کو جاری ہونے والے ایک بیان میں، کمیشن نے کہا ''ایچ آر سی پی کو شدید افسوس ہے کہ ایف آئی اے کے حکام نے ماما قدیر اور انسانی حقوق کے دو دیگر کارکنوں کو بیرون ملک سفر کرنے سے روک دیا جب وہ امریکہ جانے والی پرواز پر سوار ہونے والے تھے۔ ان کے دورے کا مقصد سندھ اور بلوچستان میں انسانی حقوق

فہرست

گھریلو ملازمین کو معاشی تحفظ فراہم کرنے کا فیصلہ	8
جب خواتین قیدی نغمہ سرا ہوئیں	9
بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کئے گئے وعدوں کی پاسداری کی جائے	10
زرعی اصلاحات کے بغیر کسان مزید بدحال ہو جائیں گے	11
پاکستان سے وفاداری کی سزا	12
خواتین کا عالمی دن	13
مزاحمت اور قوت برداشت کی کہانیاں	16
کم عمری کی شادی کی روک تھام سے متعلق یادداشت	17
ادیب سب کی نگاہوں کا مرکز تھے	19
شعبہ مدارس: جامع پالیسی کا فقدان	20
قومی کسان کنونشن	23
عورتیں	29
تعلیم	33
صحت	35
اقلیتیں	37
خودکشی کے واقعات	38
کاری، کارو کہا اور زندہ رہنے کا حق چھین لیا	42
جنسی تشدد کے واقعات	43
نصاب میں دی گئی غلط معلومات	46
قانون نافذ کرنے والے ادارے	51
جہد حق پڑھنے والوں کے خطوط	52

کی مبینہ خلاف ورزیوں کے متعلق منعقد ہونے والے ایک سیمینار میں شرکت کرنا تھا۔

ماما قدیر اور دیگر دو کارکنوں کو ایئرپورٹ پر مطلع کیا گیا کہ ان کی ''ریاست مخالف'' سرگرمیوں کی وجہ سے ان کے نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل ہیں۔ ایچ آر سی پی کے خیال میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو اجاگر کرنا ریاست مخالف سرگرمیوں کے زمرے میں نہیں آتا۔ تینوں کارکن کئی برسوں سے ملک میں جبری گمشدگیوں کے خلاف آواز بلند کررہے ہیں اور اس کے خاتمے کے لیے پرامن احتجاج کررہے ہیں۔

مزید برآں، دورِحاضر میں، کسی فرد کو بیرون ملک جانے کی اجازت نہ دے کر اسے دیگر افراد تک اپنا نقطۂ نظر پہنچانے سے روکنے کا عمل مضحکہ خیز ہے۔

انہیں بیرون ملک سفر سے روکنے کا فیصلہ نہ صرف نقل وحرکت کی آزادی کے منافی ہے بلکہ اس سے بلوچوں کے احساسِ محرومی میں اور زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ یہ فیصلہ ملک میں انسانی حقوق کے محافظین کو درپیش متعدد مشکلات کی عکاسی بھی کرتا ہے۔

ای سی ایل میں من مرضی سے شہریوں کے نام ڈالنے کے طریقہ کار پر گزشتہ چند برسوں سے عدالتِ عظمیٰ شدید تنقید کررہی تھی اور حکومت نے کئی بار عہد کیا تھا کہ ای سی ایل کے ناجائز استعمال کی روک تھام کے لیے حفاظتی اقدامات کئے جائیں گے۔ ان حفاظتی انتظامات کا مقصد یہ ہے کہ متعلقہ افراد کو ای سی ایل میں اُن کے نام کے متعلق بروقت آگاہ کیا جائے تاکہ وہ اسے چیلنج کرسکیں۔ ایچ آر سی پی کو امید ہے کہ حکام یا عدلیہ میں سے کوئی اس امر کا جائزہ لے گا کہ اس وقوعہ میں ایسا کیوں نہیں کیا گیا۔

ایچ آر سی پی کا حکومت سے مطالبہ ہے کہ واقعے کی تحقیقات کی جائے اور عوام کو آگاہ کیا جائے کہ کارکنوں کو بیرونی سفر سے روکنے کا حکم کس نے دیا تھا اور کیوں دیا تھا۔ اس کے علاوہ حکومت اس عزم کا اظہار بھی کرے کہ مستقبل میں شہریوں کی نقل وحرکت محدود نہیں کی جائے گی۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ مارچ 2015]

پھانسیوں پر عائد پابندی کا مکمل خاتمہ باعث تشویش ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے سزائے موت کے تمام قیدیوں کو پھانسیاں دینے کے حکومتی فیصلے پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے۔

بدھ کو جاری ہونے والے ایک بیان میں کمیشن نے کہا کہ ''دہشت گردی کے واقعات میں ملوث مجرموں کو پھانسی دینے کے لیے پھانسی پر عائد پابندی کا جزوی خاتمہ کیا گیا تھا تاہم اس کے فوری بعد اب سزائے موت والے تمام جرائم کے لیے پھانسیاں دوبارہ شروع کرنے کا عمل باعث تشویش ہے''۔

ایک صدارتی نوٹیفیکیشن کے ذریعے سزائے موت کے تمام قیدیوں کو پھانسی دینے پر عائد پابندی ختم کردی گئی ہے اور وفاقی وزارت داخلہ کی طرف سے تمام صوبوں کے سیکرٹریز داخلہ کو مراسلہ جاری کردیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سزائے موت کے ایسے تمام قیدیوں کو پھانسی دینے کے لیے ضروری انتظامات کئے جائیں جن کی تمام اپیلیں خارج ہوچکی ہیں۔

ایچ آر سی پی کو اس بات پر افسوس ہے کہ پھانسیوں کا عمل دوبارہ شروع کرنے کے لیے دہشت گردوں کو سزا سے بچ جانے کے عوامی تاثر کو استعمال کیا جارہا ہے۔ یہ ایک افسوسناک پیش رفت ہے بالخصوص اس وقت جب حکومت نے واضح طور پر کہا تھا کہ پھانسی صرف دہشت گردی کے واقعات میں ملوث سزائے موت کے قیدیوں کو دی جائے گی۔ ایچ آر سی پی سزائے موت والے تمام جرائم پر پھانسی دینے کی شدید مخالفت کرتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ پاکستان کے قانون میں پائے جانے والے سنگین نقائص پر غور کئے بغیر پھانسیوں کا سلسلہ شروع کرکے حکام انصاف کی بجائے انتقام کا راستہ اپنا رہے ہیں۔ اس فیصلے سے پاکستان کی معیشت بھی متاثر ہوسکتی ہے۔ تاہم ایچ آر سی پی حکومت سے کہتا ہے کہ وہ اس فیصلے کے نتیجے میں ہونے والے انسانی جانوں کے اتلاف کو بھی پیش نظر رکھے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 11 مارچ 2015]

شفقت حسین کی پھانسی پر عملدرآمد رکوانے کے لیے کارروائی کی جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے وزیراعظم اور وزیرداخلہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ سزائے موت کے قیدی شفقت حسین کی زندگی بچانے کے لیے آگے بڑھیں کیونکہ شفقت حسین کو جس جرم کی سزا دی گئی ہے، اس کے سرزد ہونے کے وقت اس کی عمر 14 برس تھی۔

23 سالہ شفقت حسین اس وقت سنٹرل جیل کراچی میں بند ہے اور اسے 19 مارچ کو تختہ دار پر لٹکانے کے وارنٹ جاری کردیئے گئے ہیں۔

ایچ آر سی پی نے اپنے خط میں کہا ہے کہ وزیرداخلہ نے جنوری میں شفقت حسین کی پھانسی پر عملدرآمد کروانے کے لیے مداخلت کی تھی اور پارلیمان میں کہا تھا کہ ''حکومت شفقت حسین کے مقدمے سے متعلقہ معلومات سے آگاہ ہونے کے بعد اس کی پھانسی کو ملتوی کرنے کے نتیجے پر پہنچی ہے''۔ موصوف وزیر نے یہ بھی کہا کہ شفقت کی سزایابی سے جنم لینے والے تحفظات کا جائزہ لینے کے لیے وقوعے کی دوبارہ تحقیقات کی جائے گی۔ کمیشن نے کہا کہ تاحال ایسی کوئی تحقیقات نہیں ہوئی اور شفقت حسین اب 19 مارچ کو پھانسی پانے کا منتظر ہے۔

ایچ آر سی پی نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ شفقت حسین کی پھانسی رکوانے کے لیے فوری کارروائی کی جائے اور وقوعے کی دوبارہ تحقیقات کی جائے تاکہ اسے اس کے خاندان کے ساتھ جوڑنے کے لیے راہ ہموار ہوسکے۔

ایچ آر سی پی نے کہا ہے کہ جن لوگوں پر پھانسی کی تلوار لٹک رہی ہے ان میں سے بیشتر نے اپنی پھانسی

رکوانے کے لیے عدالتوں میں پٹیشن دائر کی ہے اور حکومت سے رجوع کیا ہے۔ انہوں نے اپنی پٹیشن میں اپنے حالات اور مقدمات کی تحقیقات میں پائے جانے والے نقائص کا حوالہ دیا تھا۔ ہمارا حکومت سے مطالبہ ہے کہ پھانسیاں دینے کا عمل شروع نہ کیا جائے اور اس کی بجائے پھانسیوں پر پابندی کو بحال کیا جائے۔ کمیشن نے کہا کہ کم ازکم ایسا ضرور کیا جائے کہ پابندی کی بحالی تک سزائے موت کا اطلاق انتہائی سنگین واقعات تک محدود رکھا جائے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 13 مارچ 2015]

اقلیتوں کے تحفظ کے لیے موثر اقدامات کئے جائیں

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے لاہور میں گزشتہ اتوار کو دو گرجا گھروں پر ہونے والے حملوں کی مذمت کی ہے اور وفاقی و صوبائی حکومتوں سے مطالبہ کیا ہے کہ مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے فیصلہ کن کارروائی کی جائے تاکہ بڑے سانحات سے بچا جا سکے۔

آج یہاں جاری ہونے والے ایک بیان میں کمیشن نے کہا کہ لاہور کی سب سے بڑی مسیحی آبادی پر اتوار کو ہونے والے حملوں کو دہشت گردوں کے سرگرم حمایتیوں کے سوا تمام مکتبہ فکر کی پرزور مذمت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ متاثرہ مسیحی آبادی اپنی کثیر تعداد کے باعث زیادہ سے زیادہ تحفظ کی فراہمی کی مستحق تھی۔ اگرچہ ہم متاثرہ خاندانوں کے ساتھ تعزیت کا اظہار کرتے ہیں اور زخمیوں کی جلد از جلد صحت یابی کے لیے دعا گو ہیں تاہم وہ اور مجموعی طور پر پوری مسیحی کمیونٹی محض ہمدردی کے الفاظ یا مالیاتی امداد کی پیش کشوں کی بجائے اظہار یک جہتی اور تحفظ کی پائیدار یقین دہانیوں کی مستحق ہے۔

حالیہ سانحے نے متعدد سنگین نوعیت کے نقائص کی نشاندہی کی ہے جن پر حکام کو ترجیحی بنیادوں پر توجہ دینی چاہئے؟

اول، اس امر کا پتہ لگانے کے لیے جامع تحقیقات کی جائے کہ آیا بالعموم پوری قوم جبکہ بالخصوص اقلیتی کمیونٹیوں کے مذہبی اجتماعات اور رہائشی آبادیوں کے تحفظ کے لیے کئے جانے والے انتظامات کافی ہیں اور یہ کہ کیا نگرانی اور سلامتی کے معاملات میں ضروری اصلاحات کا نظام موجود ہے؟

دوئم یہ کہ اگرچہ مسیحی برادری کا پرتشدد ردعمل قابل فہم ہے تاہم ہجوم کے ہاتھوں ان دو افراد کے جلائے جانے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا چاہے ان پر شرانگیز سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا شبہ ہی موجود کیوں نہ تھا۔ نہ ہی ان انتقامی کاروائیوں کے سلسلے کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے جن کے وقوع پذیر ہونے کا خطرہ موجود ہے۔ اگر اِن الزامات میں کوئی صداقت ہے کہ جس وقت ہجوم نے مقتولین کو پکڑا اُس وقت وہ پولیس کی تحویل میں تھے تو اُن کے قتل میں ملوث افراد کی نشاندہی کرنا مشکل کام نہیں ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ ریاست کو اس تاثر کا خاتمہ کرنا چاہئے کہ دہشت گردی کے خلاف قومی ایکشن پلان پوری طرح کامیاب نہیں ہوا۔ دہشت گردوں کے خلاف خوفناک جنگ میں اس بات سے کچھ خاص فرق نہیں پڑتا کہ چند حکام جیل میں موجود سزائے موت کے بدنصیب قیدیوں کی پھانسیوں کی تاریخیں طے کر رہے ہیں۔ موجودہ صورتحال اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ قوانین کا نفاذ، امن و امان کی بحالی، اور اقلیتوں کے تحفظ کے حوالے سے ریاست پر ان کا اعتماد بحال کرنے سے متعلق اقدامات سمیت ایک جامع طریقہ کار اپنایا جائے، لیکن فی الوقت ایسا ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ اگر اس کمی کو دور کرنے میں مزید تاخیر کی گئی تو غیر محفوظ طبقات اور خاص طور پر ملک کو کسی بڑے سانحے کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ پاکستان کو اس وقت جس بڑے چیلنج کا سامنا ہے اس سے وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو نمٹنا چاہئے اور عوام اور خاص طور پر غیر محفوظ لوگوں سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا چاہئے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 16 مارچ 2015]

ایچ آر سی پی کے متحرک کارکن کی گمشدگی کی مذمت

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے تربت میں اپنے ایک متحرک کارکن شاہ داد ممتاز کی ''گمشدگی'' کی شدید مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ اگر شاہ داد پر کسی جرم میں ملوث ہونے کا شبہ ہے تو ان کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کی جائے یا پھر سکیورٹی فورسز کو چاہئے کہ شاہ داد ممتاز کو فوری طور پر رہا کر دیں۔

منگل کو جاری ہونے والے ایک بیان میں کمیشن نے کہا کہ ''ایچ آر سی پی کو سکیورٹی فورسز کی طرف سے شاہ داد ممتاز کی نظر بندی پر سخت تشویش ہے۔ لگتا ہے کہ شاہ داد ممتاز جبری گمشدگی کا شکار ہوئے ہیں۔ ایچ آر سی پی اس گرفتاری اور تمام شہریوں کی نظر بندی کی شدید مذمت کرتے ہوئے خصوصاً اس بات پر تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ انسانی حقوق کا دفاع کرنے والے باضمیر شہریوں کو ان کے فرائض کی ادائیگی پر نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ شاہ داد ممتاز کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوا ہے اس لئے کہ وہ کبھی کسی جرم میں ملوث نہیں ہوئے۔

ایچ آر سی پی مطالبہ کرتا ہے کہ اگر شاہ داد پر کسی جرم کے ارتکاب کا شبہ ہے تو پھر ان کے خلاف الزامات واضح کئے جائیں اور بغیر کسی تاخیر کے انہیں عدالت میں پیش کیا جائے۔ اور قانونی کارروائی کی جائے۔ اور اگر انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا تو پھر انہیں فوری طور پر رہا کر دیا جائے۔

ایچ آر سی پی، حکام خصوصاً وزیراعظم اور بلوچستان کے وزیراعلیٰ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ سکیورٹی فورسز کے ان اقدامات پر موثر کارروائی کریں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ کوئی بھی ادارہ شہریوں کے حقوق کو پامال نہ کرے اور ان شہریوں کی دادرسی کی جائے جن کے حقوق کو پامال کیا جاتا ہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 24 مارچ 2015]

گھریلو ملازمین کو معاشی تحفظ فراہم کرنے کا فیصلہ

ضیاء اللہ نیازی

لاہور پنجاب حکومت نے گھریلو ملازمین کو ''عمر رسیدہ سابق ملازمین کے لئے مراعات کے ادارے'' (employes old age benefits institution) کے تحت معاشی تحفظ کی فراہمی کا فیصلہ کیا ہے۔

اس بات کا فیصلہ پنجاب لیبر ہیومن ریسورس ڈیپارٹمنٹ کی نئی تشکیل کردہ پالیسی میں کیا گیا۔ یہ پالیسی آجروں اور مزدوروں کی تنظیموں، متعلقہ صوبائی محکموں، مقامی اداروں، ضلعی حکومتوں اور سول سوسائٹی کی تنظیموں سمیت متعلقہ فریقین کے ساتھ مشاورت سے تیار کی گئی ہے۔ پالیسی کی بنیاد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے اصولوں اور آئی ایل او کے کنونشنز پر رکھی گئی ہے۔

پالیسی کے موثر نفاذ کے لیے، صوبائی لیبر پالیسی میں تجویز کردہ بین الوزارتی لیبر پروٹیکشن کونسل (محنت کشوں کے لئے وزارتوں کا مشترکہ ادارہ) گھریلو ملازمین سے متعلقہ تمام معاملات پر نظر رکھے گی۔ حکومت پالیسی کے اعلان کے تین ماہ کے اندر گھریلو ملازمین کے لیے ضروری انتظامی وقانونی اقدامات کرنے کے لیے ایکشن پلان (عملدرآمد کا منصوبہ) مرتب کرے گی۔ پالیسی کے نوٹیفکیشن کے ایک سال کے اندر گھریلو ملازمین کے لیے قانون کا مسودہ تیار کیا جائے گا جبکہ چھ ماہ کے دوران گھریلو ملازمین کا اندراج کیا جائے گا۔ پالیسی ہر دو سال بعد متعلقہ فریقین کی مشاورت سے نظرثانی کے عمل سے گزرے گی۔

پالیسی کا بنیادی ہدف گھریلو ملازمین کے تحفظ کے لیے مخصوص قانون سازی کرنا اور موجودہ قوانین پر نظرثانی کرنا ہے۔ موجودہ قوانین کے موثر نفاذ کے لیے موزوں طریقہ کار بھی وضع کیا جائے گا تاکہ گھریلو ملازمین کو جسمانی بدسلوکی، تشدد اور ایذا رسانی سے بچایا جاسکے اور ان کے بنیادی انسانی حقوق کو تحفظ دیا جاسکے۔ پالیسی گھریلو ملازمین کے سماجی تحفظ کے علاوہ ان کے اور ان کے مالکان کے مابین تنازعات کے حل پر بھی توجہ دے گی۔

پالیسی میں گھریلو ملازمین کے حقوق کی وضاحت کرنے کے علاوہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ گھریلو ملازمین، گھرانوں اور آجروں کی تعریف کو آئی ایل او کے کنونشن سی۔189 کی متعلقہ دفعات کی مطابقت میں لایا جائے گا۔ گھریلو ملازمین کو متعین شدہ طریقہ کار کے مطابق رجسٹر یا ان کو ریگولیٹ کیا جائے گا تاکہ ان کی حیثیت اور کام کی نوعیت اور آجر کی نشاندہی ہوسکے۔ گھریلو ملازمین کو جنسی امتیاز سے بالاتر ہوکر مساوی معاوضہ دیا جائے گا۔ کام کے مقامات پر جسمانی بدسلوکی، جنسی ایذا رسانی، تشدد، دھونس ودھمکی، جبس بے جا اور جبری مشقت کے تمام واقعات کی مکمل تحقیقات کی جائے گی اور اس کی روشنی میں کارروائی کی جائے گی۔ کام کی شرائط وضوابط کو قلمبند کیا جائے گا۔ گھریلو ملازمین کو سوشل سکیورٹی کے موجودہ قانون کے مطابق طبی سہولیات اور سماجی تحفظ فراہم کیا جائے گا۔ گھریلو ملازمین کے لیے کام کے مقررہ اوقات کار، ہفتہ وار چھٹیوں، تہواروں کی چھٹیوں اور آرام کے اوقات کار کے اصولوں کی پاسداری کو یقینی بنایا جائے گا۔ رہائشی گھریلو ملازمین کی صورت میں ان کے وقار اور پرائیویسی کا خیال رکھتے ہوئے انہیں مناسب رہائش فراہم کی جائے گی۔

> پالیسی کا بنیادی ہدف گھریلو ملازمین کے تحفظ کے لیے مخصوص قانون سازی کرنا اور موجودہ قوانین پر نظرثانی کرنا ہے۔ موجودہ قوانین کے موثر نفاذ کے لیے موزوں طریقہ کار بھی وضع کیا جائے گا تاکہ گھریلو ملازمین کو جسمانی بدسلوکی، تشدد اور ایذا رسانی سے بچایا جاسکے اور ان کے بنیادی انسانی حقوق کو تحفظ دیا جاسکے۔

پالیسی کا مقصد قانونی اور انتظامی اقدامات کے ذریعے گھریلو ملازمین کو بطور ملازمین تسلیم اور قبول کرنا ہے تاکہ گھریلو ملازمین کو ذات، عقیدے، رنگ اور مذہب کے امتیازات سے بالاتر ہوکر دیگر ملازمین کے مساوی درجہ اور حقوق فراہم کئے جائیں۔ ادارہ جاتی سطح پر طے شدہ حکمتِ عملی کے ذریعے گھریلو ملازمین کی ضروریات، تحفظات اور مطالبات پر توجہ دینا، ملک میں افراطِ زر کے رجحانات کو مدنظر رکھتے ہوئے منصفانہ اور معقول حد تک کم از کم اجرت کا تعین، گھریلو ملازمین کو باضابطہ شعبہ جات کے ملازمین کے مساوی حقوق کی فراہمی کے لیے باضابطہ نظام کی تشکیل، گھریلو ملازمین کو منظم انداز میں اپنی آواز بلند کرنے کا موقع فراہم کرنا اور انہیں انجمن سازی کی آزادی کا حق دے کر ان کے تحفظات کو باآواز کرنا بھی اس پالیسی کا مقصد ہے۔ علاوہ ازیں یہ عہد بھی کیا گیا ہے کہ اس پالیسی کے شفافانہ نفاذ کو یقینی بنانے کے لیے مقامی حکومتوں کے اداروں اور ضلعی حکومتوں کے ساتھ مل کر کام کیا جائے گا اور اس سلسلے میں گھریلو ملازمین، این جی اوز (غیر سرکاری فلاحی تنظیموں)، ٹریڈ یونینوں (مزدور انجمنوں) اور دیگر تنظیموں کے نمائندوں کو بھی رابطے میں رکھا جائے گا۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

جہدحق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا
جو خامیاں/ کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/ اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔
- ہر شمارہ کی قیمت مبلغ =/5 روپیہ ہے
- سالانہ خریداروں کے لیے =/50 روپیہ ایسے خریدار پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (Human Rights Commission of Pakistan) کے نام صرف =/Rs.50 کا منی آرڈر یا ڈرافٹ (چیک قبول نہیں کیا جائے گا) ہمارے ہیڈ آفس کے پتہ پر روانہ کریں۔ پتہ یہ ہے:

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہدحق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے اب ویب سائٹ پر بھی موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

جب خواتین قیدی نغمہ سرا ہوئیں

جاوید نقوی☆

”اُس وقت تک، مجرموں کی نام نہاد بیرک میں بند تمام خواتین سے میری دوستی ہوگئی تھی“، طاہرہ مظہر علی مسکرائیں، ان کی آواز میں شرارت اور سازش دونوں نمایاں تھیں۔ وہ مجھے اپنے طویل انقلابی دور کے اچھے اور بُرے وقتوں سے متعلقہ اپنے غیر قلم بند قصے بتارہی تھیں۔ ان کا یہ سفر طویل جنگ کے بعد بالآخر 23 مارچ کو خاموشی کے ساتھ ختم ہوگیا۔ ان کی جدوجہد سات عشروں پر محیط ہے......پُر جوش، ہیجان انگیز، ہنگامہ خیز، عزت بخش اور شدید مایوس کن عشرے اور یہ عشرے تقریباً اِسی ترتیب کے ساتھ تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ بالآخر شدید افسردگی کی تاب نہ لاسکیں اور اُس دن اِس دنیا سے کوچ کرجانے کا فیصلہ کیا جس دن جرنیل پاکستانی فوج کی شجاعت پر شادیانے بجارہے تھے۔

”وہ انتہائی دِلکش خواتین تھیں“۔ اپنی کئی اسیریوں میں سے لاہور جیل میں اسیری کے متعلق گفتگو جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا، ”وہ غیر تعلیم یافتہ ضرور تھیں مگر باشعور تھیں اور ان میں سے بیشتر اپنے حالات کی ماری ہوئی تھیں۔ انہوں نے اپنے خاوند، یا کسی رشتہ دار یا کسی ہمسائے کو قتل کرنے کا کھلے عام اعتراف کیا اور کہا کہ وہ ان کی بربریت سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے دوبارہ بھی ایسا ہی کریں گی۔ ایک دن صبح سویرے جیل کی دیگر بیرکوں سے لگنے والے نعروں سے ہماری (خواتین سیاسی قیدی) آنکھ کھل گئی۔ بھٹو میرا بیٹا ہے، بھٹو میرا بھائی ہے، بھٹو میرا باپ ہے۔ وہ چلا رہی تھیں۔ خالص پنجابی لہجے میں ’بھٹو زندہ باد‘ کے نعروں سے جیل کی دیواریں گُونج رہی تھیں۔ وہ سب اپنے انداز میں انتہائی درجے کی سیاسی خواتین تھیں“۔

طاہرہ مظہر علی نے ان خواتین کی جو تصویر کشی کی اُس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس طرح کی خواتین تھیں جو کسی بھی غیرت کے نام پر قتل کرنے والے کی گردن یا حدود قوانین کے دُکاندار کی ٹانگ توڑ سکتی ہیں۔ خوشونت سنگھ نے قذافی سٹیڈیم میں بیٹھی پیاری پاکستانی عورتوں کا ذکر کیا تھا جب پاکستان۔انڈیا کے کرکٹ تعلقات بحال ہوئے تھے۔ طاہرہ مظہر علی یہ سُن کر مسکراتیں۔ خوشونت سنگھ نے بتایا کہ ”ایک کے سوا کوئی بھی خاتون نقاب میں نہیں تھی۔ اور نقاب والی خاتون عرفان پٹھان کی والدہ تھیں“۔

طاہرہ آپا کی حسِ مزاح ان کے ہنگامہ خیز مزاج پر غالب تھی۔ ایک دن جب انہوں نے بھٹو پر فیض کی لکھی ہوئی نظم پڑھنے کا فیصلہ کیا تو دیگر قیدی خواتین کا خیال تھا کہ انہیں گھر سے کوئی خط آیا ہے جو وہ پڑھ رہی ہیں۔ ”انہوں نے میری پڑھی گئی ہر سطر پر انتہائی دلجوئی کے ساتھ تالیاں بجائیں“۔

اختتامی جملے سے قبل تھوڑی دیر خاموش رہیں اور پھر کہا؛ ”ان عورتوں نے فیض کے بارے میں کبھی بھی نہیں سنا تھا اور نہ ہی انہیں فیض کی شاعری میں کوئی دلچسپی تھی“۔ طاہرہ نے قہقہہ لگایا۔ ”انہوں نے محض مجھے خوش کرنے کے لیے ایسا کیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ تحریر میرے گھر سے آیا کوئی خط ہے اور میں خود کو اکیلا محسوس کررہی ہوں۔ ایسی کوئی رات نہیں تھی جس رات ہم نے انہیں جیل کی بیرکُوں سے بُلھے شاہ کو گاتے ہوئے نہ سنا ہو۔ وہ اسے گاتے ہوئے بہت زیادہ روتی تھیں اور وہ میری اسیری کے دوران بہت زیادہ دنوں تک بُلھے شاہ کا کلام گاتی رہیں۔ جب میں نے فیض کو بتایا کہ خواتین قیدیوں نے کس طرح بُلھے شاہ کو آپ پر ترجیح دی ہے تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسے اور مجھے اس کے متعلق لکھنے کو کہا۔ تاہم اُن کی اس خواہش کو پورا کرنا مشکل کام تھا۔ مجھے لکھنا پسند نہیں ہے“۔

البتہ یہ بات مکمل طور پر درست نہیں۔ مئی 2008ء میں میری ان سے ان کے کتابوں اور آم کے درختوں والے گھر میں ہونے والی ایک ملاقات کے کچھ ہی دنوں بعد مجھے ان کا ایک خط موصول ہوا جو انہوں نے اس اخبار کو لکھا تھا۔ یہ عوام کو درپیش بدتر حالات کے بارے میں ایک پرانی وضع کی کمیونسٹ کا بے تکلف احتجاج تھا۔ وہ محسوس کرتی تھیں کہ جن لوگوں سے انہیں اچھے کی امید تھی انہوں نے انہیں مایوس کیا تھا۔ خط میں انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ پنجاب جو پورے پاکستان کا پیٹ بھرتا تھا، اب خود افلاس کا شکار تھا، کسان خودکشیاں کررہے تھے۔ ان کا غصہ بجا تھا کیونکہ وہ کئی عشروں تک کسانوں کی تحریک سے وابستہ رہی تھیں، انہوں نے خواتین کو شعور دینے کے لئے نچلی سطح پر کام کیا تھا اور ان کے غصب کئے گئے سیاسی اور سماجی حقوق کے لئے جدوجہد کی تھی۔

اگست 1997ء میں جب میں پہلی مرتبہ ایک ٹی وی کی دستاویزی فلم کے لئے ان سے ان کے گھر پر ملا تو انہوں نے مجھے ایک ہوادار کمرے میں بٹھایا جہاں پرانی کتابیں اور ان کے اہل خانہ کی تصاویر موجود تھیں۔ یہیں پر انہوں نے کہا تھا کہ انڈیا اور پاکستان کو مشترکہ طور پر اپنے غریب عوام کے حالات میں بہتری لانی چاہئے۔

یہ وہی کمرہ تھا جہاں انہوں نے محترمہ بے نظیر بھٹو کو بٹھایا تھا جب ان کے والد کو پھانسی دی جانے والی تھی۔ ”جب وہ میرے

طاہرہ مظہر علی کو کئی حوالوں سے یاد کیا جائے گا بالخصوص اُن دلوں میں امید کی جوت جگانے کے لئے جن پر صدیوں سے ناامیدی کی حکمرانی تھی۔ ان میں مسلمان بھی شامل تھے اور غیر مسلم بھی کیونکہ طاہرہ مذہبی اور فرقہ وارانہ تعصّبات سے آزاد ایک قابل تقلید شخصیت تھیں۔

طاہرہ مظہر علی کو مشرقی بنگال کے متعلق اپنے واضح موقف کے اظہار کا موقعہ **1970-71**ء میں حاصل ہوا جب انہوں نے بنگال میں فوجی ایکشن کے خلاف لاہور کی سڑکوں پر مظاہرہ کیا۔ بنگالی عوام کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کے بارے میں انہوں نے اپنی رائے کبھی تبدیل نہیں کی۔ کافی عرصہ بعد اسلام آباد میں ہونے والی بین الاقوامی ادبی کانفرنس کے موقع پر انہوں نے حکومتِ پاکستان پر زور دیا کہ وہ بنگلہ دیش کے عوام سے معافی مانگے۔

طاہرہ مظہر کا ایک اور اہم کام پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی نائب چیئرپرسن کی حیثیت سے عاصمہ جہانگیر کے مطالبہ کی عملی حمایت تھی جو تمام منتخب اداروں میں خواتین کے لئے **33** فیصد نشستیں مخصوص کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔

آج لوگوں کو جو آزادیاں میسر ہیں یہ طاہرہ مظہر جیسی خاتون قائدین کی جدوجہد اور قربانیوں سے ہی حاصل ہوئیں۔

آئی۔اے۔رحمٰن

طاہرہ نے ہمیشہ خواتین کی تحریک کی حمایت کی لیکن انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اس کو مَردوں کی تحریک سے جوڑا جائے تاکہ کامیابی حاصل کی جاسکے۔ انہیں یقین تھا کہ خواتین کے حقوق کی جنگ تنہا خواتین کی تحریک سے کامیاب نہیں ہوسکتی۔

حنا جیلانی

گھر پہنچیں تو ان کی گاڑی کے پیچھے دو گاڑیاں اور بھی تھیں۔ میں نے دل ہی دل میں کہا، یہ لڑکی مشکل میں ہے۔ یہ پولیس کی گاڑیاں تھیں۔ دوپہر کے کھانے کے دوران میں نے ان کا بازو تھام لیا اور ان سے کہا، ''وہ تمہیں لینے آئے ہیں۔ لیکن تم پریشان مت ہو۔ اطمینان سے بیٹھو اور اچھی طرح کھانا کھاؤ'' اور اس کے بعد بے نظیر نے نہایت اطمینان سے کھانا کھایا۔''

کھانے کے بعد وہ دروازے کی جانب بڑھیں تو طاہرہ نے ایک مرتبہ پھر ان کا بازو تھام لیا اور انہیں آہستہ سے مطمئن رہنے کو کہا۔ ''جب وہ اپنی کار میں بیٹھیں تو میں نے ان کے پیچھے کھڑی دو کاروں کی جانب دیکھا۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی تھیں۔ کئی بار پُر جوش طریقے سے الوداع کہنے کے بعد جب بالآخر وہ وہاں سے روانہ ہوگئیں تو پولیس کاروں میں سے دو افراد اتر کر میرے پاس آئے اور شائستگی سے کہا: ''بی بی، ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔''

جب دنیا بے نظیر کے قتل پر آہ وزاری کر رہی تھی اس وقت

> بطور سرگرم کارکن میری تربیت طاہرہ مظہر نے اُس وقت شروع کی جب میں آٹھ سال کی تھی اور میں نے اپنی والدہ کے ساتھ ان کے گھر جانا شروع کیا۔ دونوں محنت کش طبقہ کی جدوجہد سے منسلک تھیں۔ سلیمہ ھاشمی

طاہرہ مظہر غم کے علاوہ غصے کی حالت میں بھی تھیں۔ غم اس بات کا تھا کہ وہ جانتی تھیں کہ بے نظیر اپنے لوگوں کے لئے فکر مند تھیں، غصہ اس بات کا کہ وہ اپنے اس راستے سے ہٹ رہی تھیں جو انہیں لوگوں کے قریب لے گیا تھا۔ ''میں یقین نہ کر سکی کہ ان کی آخری تقریر مکمل طور امریکی آقاؤں کے لیے تھی۔ کیا انہوں نے لوگوں کا غربت اور افلاس کا مسئلہ حل کر دیا تھا جو انہوں نے ایک نیا ایجنڈا اپنایا؟ نہیں۔ ابھی ان وعدوں کی تکمیل ہونا باقی تھی جو ان کے والد نے کئے تھے۔ اب، ان کے بعد ایسا کوئی بھی نہیں جو یہ کام کرے گا۔''

طاہرہ مظہر کے غم کا شاید ایک ذاتی پہلو بھی تھا۔ جب غیر منقسم کمیونسٹ پارٹی نے نوجوان طاہرہ کو جناح کے لئے اپنی حمایت کا پیغام پہنچانے کو کہا تو وہ سائیکل کے ذریعے یہ خبر پہنچانے گئیں تاہم قائد نے کمیونسٹوں کے بارے میں کچھ بے ملاحظہ الفاظ کہے۔

پاکستان جس طرح کا بن گیا ہے، اگر آپا اس پر دل شکستہ تھیں تو انڈیا میں ان کی قریب ترین ساتھیوں، پاروتھی کرشنن اور پیرین رومیش چندر کو بھی اس وقت اتنا ہی دھوکے کا احساس ہوا جب بابری مسجد کو مسمار کر کے ملک کے سیکولرازم کے وعدے کے دھجیاں اڑائی گئیں۔ لاہور جیل کی خواتین قیدی بلھے شاہ کے ذریعے اپنا درد کم کر سکتی تھیں۔ طاہرہ مظہر اس سے زیادہ دیرپا علاج کی تلاش میں تھیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ روزنامہ ''ڈان'')

(☆اس کالم کے لکھاری دہلی میں روزنامہ ''ڈان'' کے نامہ نگار ہیں)۔

بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کئے گئے وعدوں کی پاسداری کی جائے

لاہور پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے بین الاقوامی کمیشن برائے ماہرین قانون (آئی سی جے) کے تعاون سے ''یونیورسل سلسلہ وار ریویو میں بچوں کے حقوق'' کے موضوع پر ایک مشاورتی تقریب کا اہتمام کیا۔

یو پی آر اقوام متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق کی زیر رہنمائی ریاستی اقدامات پر مبنی کارروائی ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے اقوام متحدہ کے رکن ممالک میں انسانی حقوق کی صورتحال کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ یو پی آر کے ذریعے ریاست کو اپنے ملک میں انسانی حقوق کی صورتحال میں بہتری لانے اور انسانی حقوق سے متعلقہ فرائض کی ادائیگی کے لیے اٹھائے گئے ریاستی اقدامات کی وضاحت کرنے کا موقع بھی ملتا ہے۔ سول سوسائٹی کے اراکین، ماہرین تعلیم اور پاکستان بھر سے قومی انسانی حقوق کے اداروں کے نمائندوں نے مشاورت میں شرکت کی تھی۔

مذکورہ مشاورت پانچ مراحل پر مشتمل مشاورتی ایجنڈے کا چوتھا مرحلہ تھا جس کا مقصد یو پی آر کے تحت انسانی حقوق سے متعلقہ فرائض کی انجام دہی کے حوالے سے حکومتِ پاکستان کی جوابدہی کو یقینی بنانا تھا۔ شرکاء مشاورت اس نتیجے پر پہنچے کہ خواتین کے حقوق، بچوں کے حقوق، مذہبی اقلیتوں کے حقوق، جبری وغیر ارادی گمشدگیاں اور اظہار رائے کی آزادی جیسے معاملات پر پاکستان نے جو سفارشات قبول کی تھیں ان پر عملدرآمد کے حوالے سے وسط مدتی رپورٹ تیار کی جائے گی۔

بچوں کی اسمگلنگ اور جنسی استحصال پر ہونے والی نشست میں ان کی اسمگلنگ اور جنسی استحصال و بدسلوکی کے اسباب اور اس رجحان میں اضافے کا جائزہ لیا گیا۔ شرکاء نے سب سے زیادہ استحصال کا شکار بے گھر بچوں کی بحالیِ نو کے لیے پروگرام تشکیل دینے کی ضرورت پر زور دیا۔ اسمگلنگ کے خاتمے کے لیے قانون سازی کی ضرورت پر بھی زور دیا گیا۔

تیسری نشست میں، شرکاء نے بچوں کی لازمی تعلیم کے حق کے لیے ہونے والی آئینی ترمیم کو خوش آئند قرار دیا تاہم سکولوں میں اساتذہ کی غیر حاضری اور اپنے بچوں کو سکول بھیجنے پر متعدد والدین کی غیر رضامندی پر تشویش کا اظہار کیا۔ بچوں اور مجرموں کے تعلیمی نظام میں بہتری کے لیے بنیادی اصلاحات پر بھی اتفاق رائے کا اظہار کیا گیا۔ ماہرین تعلیم نے خاص ضروریات والے طالبعلموں پر توجہ دینے کی ضرورت کو بھی اجاگر کیا تھا۔

آخری نشست میں بچوں کے حقوق پر اثر انداز ہونے والے متعدد عوامل مثلاً صحت، مسلح کشیدگی اور قانونی حفاظتی انتظامات کی دستیابی پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ یہ تجویز پیش کی گئی کہ ''زچہ و بچہ طبی صحت پالیسی پاکستان'' کے نفاذ کے لیے ''پاکستان پیڈریاٹیکس ایسوسی ایشن'' جیسے فعال ادارے کی مدد حاصل کی جائے۔ مسلح سرگرمیوں میں ملوث رہنے والے بچوں کی بحالی نو کے لیے کوئی کوشش نہ ہونے کا نوٹس بھی لیا گیا۔ بچوں کے حقوق کے لیے آئینی و قانونی انتظامات کے حوالے سے تمام شرکاء کا کہنا تھا کہ بچوں کے حقوق کے ذمہ دار محکموں کے مابین رابطہ سازی اور معلومات کا تبادلہ بہت ضروری ہے۔ شرکاء نے بچوں کی فلاح و ترقی کے لیے قائم قومی کمیشن کو فعال کرنے کی سفارش کی۔ کمیشن کا بنیادی مقصد کوائف کی جمع بندی والے نظاموں کے ساتھ مل کر کام کرنا تاکہ مسائل زدہ معاملات میں بہتری لائی جا سکے۔

شرکاء نے کہا کہ بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کی گئی سفارشات پر عملدرآمد میں کچھ پیش رفتیں بھی ہوئی ہیں۔ پاکستان بھر میں بچوں کو ویکسینیشن دینے کی شرح میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے اور ''فرضی'' سکولوں کی موجودگی کے باوجود لازمی تعلیم کے لیے منظور کردہ نئے قوانین ملک میں بچوں کی یونیورسل تعلیم کو حقیقت بنانے کی طرف پہلا مثبت قدم ہیں۔

بچوں کو تشدد سے تحفظ فراہم کرنے کے حوالے سے بھی کچھ پیش رفت ہوئی ہے۔ سندھ کی صوبائی حکومت نے قانون سازی کے ذریعے بچوں پر تشدد کے واقعات میں بچوں کی گواہی کے عمل کو آسان بنا دیا ہے اور ہسپتالوں کو متاثرہ خاندانوں کو مکمل طبی شہادت فراہم کرنے کا پابند بنایا گیا ہے۔ ایسے قوانین ابھی تک دیگر صوبوں میں منظور نہیں کئے گئے تاہم ایک صوبے میں ان کے نفاذ سے یہ امید پیدا ہوئی ہے کہ جلد ہی پاکستان بھر میں اس جیسے قوانین منظور کئے جائیں گے۔

تقریب کے اختتام میں کہا گیا کہ بچوں کے غیر محفوظ گروہوں مثال کے طور پر مذہبی اقلیتوں کے بچوں بشمول مذہب کی جبری تبدیلی کے شکار بچوں کے حوالے سے یو پی آر کی سفارشات پر عملدرآمد کی صورتحال انتہائی مایوس کن ہے۔ وفاق اور صوبوں کے زیر انتظام علاقوں کے بچوں پر خصوصی توجہ دینے پر بھی زور دیا گیا جہاں بچوں کے تحفظ کے زیادہ تر قوانین کا اطلاق نہیں ہے۔ (انگریزی سے ترجمہ)

زرعی اصلاحات کے بغیر کسان مزید بدحال ہوجائیں گے

آئی۔اے۔رحمٰن

پنجاب کے متعدد علاقوں میں کسانوں اور پولیس کے درمیان ہونے والی تازہ ترین چھڑپوں نے زراعت کے شعبے میں پائی جانے والی شدید بے اطمینانی کو بے نقاب کر دیا ہے۔

حکام کے پاس پاکستان کسان اتحاد کے افراد کو اسلام آباد کی جانب مارچ کرنے سے روکنے کا کوئی جواز نہیں تھا جو وفاقی حکومت کو اپنے مطالبات پیش کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات درست ہے کہ زرعی اصلاحات ایک صوبائی مسئلہ ہے لیکن کسی بھی فرد کو ریاست کے دارالحکومت میں صوبائی مسئلہ اٹھانے کے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا 8 مارچ کو مظاہرین اور پولیس کے درمیان ہونے والی پرتشدد جھڑپوں کی وجہ چاہے جو بھی ہو، متعدد مظاہرین کی گرفتاری، اور ریلوے اور روڈ ٹریفک کو کئی گھنٹوں تک بلاک کئے جانے پر صرف افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

کسانوں کا اسلام آباد کی جانب مارچ کرنیکا فیصلہ اچانک یا غیر متوقع نہیں تھا۔ وہ کئی ہفتوں سے اشتعال کی حالت میں تھے۔ ان کی ایک عام شکایت یہ تھی کہ شوگر مل مالکان نے گنے کی کاشت کرنے والوں کو واجبات ادا نہیں کئے تھے، جس کے خلاف سرگودھا، ٹوبہ ٹیک سنگھ، اوکاڑہ، پیر محل، کنگن پور اور چند دیگر مقامات پر مظاہرے کئے گئے۔ کسانوں نے شاہ پور، تاندلیانوالا اور دیگر کئی علاقوں میں ملوں کے باہر دھرنا بھی دیا۔ پولیس نے کاشتکاروں کے واجبات کی عدم ادائیگی پر ایک مل مالک کے خلاف مقدمہ درج کیا۔

علاوہ ازیں جعلی حشرات کش ادویات، مارکیٹ میں فروخت ہونے والی سبزیوں میں زہر پائے جانے سے متعلق انکشافات اور نہروں کی بندش (ڈی جی خان) کے خلاف بھی مظاہرے کئے گئے۔

لہٰذا پنجاب حکومت کے پاس کسانوں میں پائی جانے والی بے چینی کو دور کرنے کے لئے کافی وقت تھا۔ حکومت کی بے حسی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کسان جو ملک کے مزدور طبقے کا 43.7 فیصد ہیں، حکومت نے ان کے مفادات پر کوئی توجہ نہیں دی جس کے نتیجے میں امن عامہ کی صورتحال پیدا ہوگئی۔

اور ایسا صرف پنجاب میں نہیں ہوا۔ چند ہی ہفتے پہلے سندھ حکومت کو بھی اسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا تھا جب گنے کی کاشت کرنے والے کسانوں نے مل مالکان کی جانب سے اپنی فصل کا کم معاوضہ ادا کرنے اور واجبات کی عدم ادائیگی کی شکایت کی تھی۔ اس کے علاوہ سندھ اور بلوچستان کے کئی علاقوں میں پانی کی قلت اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے خلاف بھی مظاہرے کئے گئے۔

جو کسان صوبائی حکام کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں وہ پسماندہ ترین کسانوں میں شمار نہیں ہوتے۔ ان میں زیادہ تر چھوٹے کاشتکار مالکان اور متوسط کسان شامل ہیں، اور اگرچہ ان کے ٹیکس میں چھوٹ، سبسڈی اور گندم کا زیادہ معاوضہ ادا کرنے کے مطالبات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تاہم یہ مطالبات ان مشکلات کا احاطہ نہیں کرتے جو لاکھوں بے زمین کسانوں اور زرعی مزدوروں کو درپیش ہیں۔

زراعت کا بنیادی مسئلہ ملکیت اراضی کا وہ غیر معقول طریقہ کار ہے جس نے زراعت پر انحصار رکھنے والے عوام کی اکثریت کو غربت، بھوک اور بیماری کا شکار بنا رکھا ہے، اور جس نے عدم مساوات کی تمام سنگین اقسام کو برقرار رکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ مزارعت سے متعلق قوانین پر نظرثانی کرنے اور گروی مردوں، خواتین اور بچوں کی تکالیف کے خاتمے کے لئے بھی کوئی اقدامات نہیں کئے گئے۔

> حال ہی میں پاکستان زرعی تحقیق کے سربراہ نے واضح کیا کہ دیہی آمدنی میں **5** فیصد اضافے سے شہری آمدنی میں **8** فیصد اضافہ ہوجائے گا۔

معاشی سروے کے مصنفین زراعت سے متعلق باب میں ملکیت اراضی کے طریقہ کار، کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے استحصال اور زراعت کے شعبے میں جاری گروی مشقت کے حوالے سے ایک بھی سطر شامل کرنے سے قاصر ہیں۔ وفاقی اور صوبائی شعبہ زراعت کی دستاویزات میں پیداواری اہداف اور صلاحیتوں کے بہتر استعمال کی توبات کی گئی ہے لیکن اس میں کم زمین رکھنے والے کسانوں اور بے زمین کسانوں کو زمین کی فراہمی کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ حالیہ دنوں حیدرآباد میں 32 تنظیموں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ کسانوں کو زمین فراہم کی جانی چاہئے لیکن اس پر کسی نے توجہ نہیں دی۔

عدلیہ بھی بے زمین کاشتکاروں کی مدد کو نہیں پہنچی۔ اگرچہ سپریم کورٹ نے ناقص زرعی پالیسی اور کاشتکاروں سے متعلق اپنی ذمہ داری سے پہلوتہی کرنے پر حکومت کی سرزنش کی ہے لیکن عابد حسن منٹو کی جانب سے 2011ء میں دائر کی گئی پٹیشن کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا جس میں انہوں نے زرعی اصلاحات پر پابندی کو چیلنج کیا تھا۔ پاکستان شریعت اپیلیٹ بنچ کی جانب سے زرعی اصلاحات کو غیر اسلامی قرار دینے کی فیصلے کی بھاری قیمت ادا کر رہا ہے، اور یہ فیصلہ بھی شریعت کی ایک متنازعہ اور رجعت پسندانہ تشریح پر مبنی تھا۔

یہ حقیقت سب پر عیاں ہے کہ پاکستان کی معاشی ترقی کا انحصار اس کے زمینی وسائل کے مناسب استعمال پر ہے۔ زرعی اصلاحات کو گزشتہ کئی عشروں سے معاشی بنیادوں پر جائز قرار دیا جاتا رہا ہے کہ اس کی بدولت زیادہ پیداوار حاصل ہوگی۔ اس کے علاوہ انہیں معاشرتی بنیادوں پر بھی جائز قرار دیا جاتا رہا ہے کہ اس کی مدد سے غلامی جیسی زندگی گزارنے والے مزارعوں کو دولت پیدا کرنے والے آزاد افراد میں تبدیل کیا جا سکے گا۔

اس کے علاوہ چند اور وجوہات بھی ہیں جو جتنا جلدی ممکن ہو سکے زمینوں کی تقسیم کا پروگرام شروع کرنے کا جواز فراہم کرتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اراضی کے حقوق اور سماجی/سیاسی طاقت چند ہاتھوں میں سمٹتی جارہی ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اراضی کی ملکیت کے موجودہ طریقہ کار اور دیہی غربت کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ تازہ ترین سروے ظاہر کرتے ہیں کہ 2000ء میں پچاس ایکڑ یا اس سے زیادہ رقبے پر مشتمل 2 فیصد فارم مجموعی زرعی اراضی کا 23 فیصد تھے جبکہ 2010ء میں اسی زمرے میں آنے والے صرف 1 فیصد فارم مجموعی زرعی اراضی کا 21 فیصد تھے۔ عین اسی وقت مجموعی زرعی اراضی کا 68 فیصد (پانچ ایکڑ سے کم) اسی 21 فیصد رقبے میں شامل تھا۔

حال ہی میں پاکستان زرعی تحقیق کے سربراہ نے واضح کیا کہ دیہی آمدنی میں 5 فیصد اضافے سے شہری آمدنی میں 8 فیصد اضافہ ہوجائے گا۔

دوسری یہ کہ زرعی اصلاح کی بدولت خواتین کی معاشی اور سماجی خودمختاری کے راستے کھلیں گے کیونکہ اس کے ذریعے خواتین اپنے اراضی کے حق کو کسی حد تک منوا سکتی ہیں۔

تیسری یہ کہ اس سے غیر مسلم شہریوں کے مصائب کو کسی حد تک کم کیا جا سکے گا۔ زرعی اصلاح کے ایک موثر پیکج کے ذریعے سندھ اور پنجاب کے غیر مسلم مزارعین کو زمین کا مالک بنا کر ان کے مصائب کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ جامع زرعی اصلاحات کے بغیر پاکستان میں جمہوریت کا مستقبل تاریک رہے گا۔

آج پاکستان کو سب سے پہلے ایک ایسی دور اندیش قیادت کی ضرورت ہے جو صرف کم پسماندہ کسانوں کے مطالبات کو پورا کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرے گی بلکہ جاگیرداری کی لعنت اور اس سے وابستہ ظلم اور استحصال کے کلچر کا بھی خاتمہ کرے گی۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

پاکستان سے وفاداری کی سزا

گلگت گلگت بلتستان وہ خطہ ہے جس کے باسی اپنی مدد آپ کے تحت علاقے کو ڈوگرہ راج سے آزاد کرا کر بلا مشروط پاکستان سے الحاق کرنے کی سزا گزشتہ 68 سالوں سے کاٹ رہے ہیں۔ یہاں کے باسی گذشتہ نصف صدی سے زائد عرصے سے پاکستان کا مکمل شہری بننے کی شدید خواہش کے باوجود اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ پاکستان کے ارباب اختیار نے اس خطہ کو مسئلہ کشمیر سے جوڑ کر یہاں کے باشندوں کو روز اول سے ان کے آئینی اور سیاسی حقوق سے محروم رکھا ہے۔ 1947 سے 1974 تک یہ علاقہ وفاق کے زیر نگرانی ایجنسی کی حیثیت سے ایف سی آر کے ماتحت رہا جبکہ اس کے بعد مختلف اوقات میں وفاق سے جاری کردہ ایل ایف اوز کے تحت یہاں کا نظام چلایا جاتا رہا۔ اگست 2009 میں پاکستان پیپلز پارٹی کی وفاقی حکومت نے علاقے میں گلگت بلتستان امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر 2009 کے نام پر سیاسی اصلاحات متعارف کرائیں اور اس علاقے کو صوبائی طرز کا سیٹ اپ دیا گیا جن میں اس علاقے کی اپنی قانون ساز اسمبلی اور گلگت بلتستان کونسل کے علاوہ مقامی گورنر، وزیر اعلیٰ، خودمختار پبلک سروس کمیشن سمیت دیگر اداروں کا قیام اور اصلاحات شامل تھیں۔ یہاں کے لوگ پُرامید تھے کہ شاید اگلے مرحلے میں پاکستان کی قومی اسمبلی اور سینٹ میں بھی ان کے علاقے کی نمائندگی ہوگی اور یہ علاقہ ان کی خواہش کے مطابق پاکستان کا مکمل آئینی صوبہ بن جائے گا۔ مگر وفاق میں پی پی پی کی حکومت کے جانے کے ساتھ ہی علاقے کو خودمختار کرنے کا عمل رُک گیا۔ مذکورہ آرڈر جس کے تحت گذشتہ پانچ سالوں سے گلگت بلتستان کا نظام چلایا جاتا رہا ہے کی بنیادی خامی یہ ہے کہ یہ ایک انتظامی حکم نامہ ہے اور اس میں ترمیم کا سارا اختیار وفاق کے پاس ہے۔ پی پی پی نے یہ اصلاحات تو متعارف کرائی تھیں مگر ان اصلاحات کو قانونی تحفظ حاصل نہیں تھا اور اس خدشے کا اظہار اس وقت بھی کیا جا چکا تھا کہ پی پی پی کی وفاق میں قائم حکومت کے جانے کے بعد اگلی آنے والی حکومت اس آرڈر کے ساتھ اپنا من پسند سلوک کرے گی۔ یہ خدشہ سچ ثابت ہوا اور مسلم لیگ (ن) نے اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جس سے گلگت بلتستان کے عوام میں ایک دفعہ پھر سے محرومی کا احساس پیدا ہونے لگا ہے۔

مذکورہ آرڈر میں اس کے نفاذ کے دوران نگران نظم ونسق کا ذکر نہیں تھا چنانچہ مسلم لیگ کی وفاقی حکومت نے وفاقی وزارت امور کشمیر و گلگت بلتستان کی سفارش پر اس آرڈر میں پہلی ترمیم دسمبر 2014 میں کر کے اس میں نگران نظم ونسق کی شق شامل کر لی اور نگران حکومت کی تقرری کا اختیار وزیر اعظم پاکستان کو دے دیا گیا۔ جب پی پی پی کی گلگت بلتستان میں قائم صوبائی حکومت اپنے پانچ سال مکمل کر کے رخصت ہوئی تو مذکورہ ترمیم کے تحت وزیر اعظم نے گلگت بلتستان کے پہلے نگران وزیر اعلیٰ کی تقرری کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا۔ مذکورہ ترمیم کے مطابق نگران کابینہ کے وزراء کا تقرر نگران وزیر اعلیٰ کی مشاورت سے ہونا تھا مگر وفاق نے بغیر مشاورت کے اپنی مرضی سے گلگت بلتستان میں بارہ رکنی نگران کابینہ کی تقرری عمل میں لائی۔ نگران کابینہ کی تقرری کے دوران اس بات کا بھی خیال نہ رکھا گیا کہ آئین پاکستان کی اٹھارویں ترمیم کے مطابق وفاق یا کسی بھی صوبے میں نگران حکومت اس صوبے کی اسمبلی کی کل نشستوں کی 11 فی صد اراکین پر مشتمل ہوگی۔ اس لحاظ سے گلگت بلتستان کی نگران حکومت صرف تین وزراء پر مشتمل ہونی چاہئے تھی کیونکہ جی بی اسمبلی کل 33 اراکین پر مشتمل ہے۔ مگر وفاق نے یہاں 12 وزراء کا تقرر عمل میں لایا۔ حالانکہ رخصت ہونے والی اسمبلی کے اپوزیشن لیڈر اور وزیر اعلیٰ نے نگران حکومت میں تین وزراء سے زائد نہ لینے کی سفارش کی تھی۔ نگران کابینہ کی تقرری کے حوالے سے دوسری بڑی غلطی یہ کی گئی کہ اس میں غیر جانبدار افراد کی بجائے سفارشی بنیادوں پر مختلف سیاسی جماعتوں سے وابستہ افراد شامل کئے گئے ہیں جن میں سے دو جماعت اسلامی، ایک تحریک انصاف اور دو مسلم لیگ (ن) کے باقاعدہ عہدیدار ہیں جبکہ دیگر اراکین کی بھی مختلف سیاسی جماعتوں سے وابستگیاں پائی جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے نگران کابینہ کو جانبدار قرار دے دیا گیا اور اس کے خلاف پی پی پی اور وحدت المسلمین نے عدالت سے بھی رجوع کیا ہے۔ نگران کابینہ کی تقرری کے بعد مسلم لیگ (ن) کو گلگت بلتستان میں شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا تاہم مسلم لیگ نے صورتحال میں بہتری لانے کی بجائے گورننس آڈر کے آرٹیکل ۲۰ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مقامی گورنر کو ہٹا کر وفاقی وزیر امور کشمیر و گلگت بلتستان برجیس طاہر کو گورنر گلگت بلتستان کی اضافی ذمہ داریاں سونپ دی ہے۔

> حالیہ دنوں وہ بیک وقت وفاقی وزارت اور گلگت بلتستان کی گورنر شپ کے عہدے پر مامور ہیں جو کہ نہ صرف آئین پاکستان بلکہ گلگت بلتستان امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر کی بھی خلاف ورزی ہے۔ کیونکہ آئین پاکستان کی دفعہ 3 کی رو سے کسی بھی رکن اسمبلی یا وزیر کا کسی بھی صوبے کا گورنر بننے کے بعد اس کی اسمبلی رکنیت اور وزارت خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ یہ آئین پاکستان کے آرٹیکل 103 میں لکھا گیا ہے۔ اسی طرح جی بی امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر 2009 کے آرٹیکل ۲۰ کی شق نمبر ۸ اور ۹ میں بھی وہ ہی الفاظ درج ہیں جو آئین پاکستان کے آرٹیکل 103 میں ہیں۔

وفاقی حکومت نے گورنر کی تقرری سے متعلق جواز یہ پیش کیا ہے کہ چونکہ 2009 میں پی پی پی نے اس وقت کے وفاقی وزیر برائے امور کشمیر و گلگت بلتستان قمر الزمان قاہرہ کو جی بی کا پہلا عبوری گورنر مقرر کیا تھا اس لئے موجودہ وفاقی وزیر امور کشمیر کو گورنر مقرر کیا ہے۔ حالانکہ اس وقت اصلاحات کے آغاز میں عبوری بندوبست کے طور اُس آرڈر کے آرٹیکل ۲۰ کی شق ۲ میں اس بات کا یوں خصوصی ذکر کیا گیا تھا کہ "پہلے گورنر کی تقرری تک وفاقی وزیر برائے امور کشمیر، گلگت بلتستان کے گورنر کے فرائض انجام دیں گے"۔ اس آرڈر کے نفاذ کے چند مہینوں بعد اُس وقت کے صدر مملکت آصف علی زرداری نے گلگت بلتستان کی ایک مقامی خاتون ڈاکٹر شمع خالد کو گلگت بلتستان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ مقامی گورنر کی تقرری کو گلگت بلتستان میں خوب سراہا گیا تھا۔ ڈاکٹر شمع خالد کی وفات کے بعد ایک اور مقامی شخص پیر سید کرم علی شاہ کو گورنر مقرر کیا گیا تھا جو کہ گلگت بلتستان اسمبلی کے ممبر بھی تھے اور گورنر بننے کے بعد انہوں نے اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔

فروری 2015 کو مسلم لیگ (ن) نے ان کو فارغ کرنے کا باضابطہ اعلان کئے بغیر اچانک نئے گورنر کو ذمہ داریاں سونپ دیں۔ اچانک مقامی گورنر کو فارغ کر کے ایک غیر مقامی شخص کو گورنر بنائے جانے کے فیصلے پر مقامی لوگوں نے تعجب اور غصے کا اظہار کیا۔ گلگت بلتستان کی تمام سیاسی جماعتوں کا موقف ہے کہ غیر مقامی گورنر کے تقرر کا مقصد مسلم لیگ (ن) کو دھاندلی کے ذریعے گلگت بلتستان کے اگلے انتخابات میں کامیابی دلوانا ہے۔ جبکہ قوم پرست جماعتوں نے برجیس طاہر کو گلگت بلتستان کا وائسرائے قرار دے دیا ہے جو کہ اس وقت گلگت بلتستان کے سیاہ وسفید کا مالک ہے۔

وفاقی حکومت نے گذشتہ تین ماہ کے اندر جی بی امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر 2009 میں تین سے زائد ترامیم کی ہیں جن میں گلگت بلتستان کے عوام کی رائے شامل نہیں۔ حالانکہ جی بی امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر 2009 گلگت بلتستان کے عبوری آئین کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ گلگت بلتستان کا سیاسی ڈھانچہ اسی آرڈر کے تحت چلایا جاتا ہے۔ گلگت بلتستان میں غیر مقامی گورنر اور بھاری حجم والی متنازعہ نگران کابینہ کا قیام اور گورننس آرڈر میں من پسند ترامیم نے علاقے میں مایوسی اور احساس محرومی کے جذبات کو ابھارا ہے جس کا اظہار مختلف سیاسی جماعتوں کی طرف سے برجیس طاہر کی گلگت بلتستان کے دورے کے موقع پر احتجاج اور اس موضوع پر پی پی پی کے زیر اہتمام آل پارٹیز کانفرنس کے موقع پر مذمتی قرارداد کی صورت میں کیا گیا ہے جس میں مسلم لیگ (ن) کے علاوہ تمام سیاسی جماعتوں نے شرکت کی تھی۔ جبکہ پی پی پی اور دیگر کئی سیاسی جماعتوں نے گورنر کی تقرری کو گلگت بلتستان کی عدالت عالیہ میں چیلنج بھی کیا ہے۔

آئین پاکستان اور جی بی امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر 2009 کے تحت نگران حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ 90 دنوں کے اندر انتخابات کے انعقاد کو یقینی بنائے۔ نگران حکومت کا قیام 12 دسمبر 2014ء کو عمل میں آیا تھا۔ 12 مارچ کو نگران حکومت کے تین مہینے مکمل ہونے کے بعد سرد موسم کا بہانا بنا کر نگران کابینہ کی مدت میں تین مہینے کی توسیع کی گئی۔ اب تو گلگت بلتستان میں بہار اور کاشت کاری کا موسم شروع ہوا ہے۔ سردی کی شدت میں کمی آئی ہے اس کے باوجود تا حال انتخابات کے انعقاد کے لئے تاریخ کا اعلان نہیں کیا گیا۔ اس صورتحال نے مسلم لیگ (ن) کی گلگت بلتستان کے حوالے سے نیت کو مزید مشکوک بنا دیا ہے۔ جبکہ یہ سارا عمل علاقے میں جمہوری عمل کو سبوتاژ کرنے اور لوگوں کی محرومیوں کو مزید بڑھانے کا باعث بن رہا ہے۔

(اسرار الدین اسرار)
(کوآرڈینیٹر، ایچ آر سی پی، گلگت۔ بلتستان چیپٹر)

خواتین کا عالمی دن

خواتین کے عالمی دن کے موقع پر ملک بھر میں ایچ آر سی پی کے کارکنان نے پرامن احتجاجی مظاہروں اور ریلیوں کے انعقاد کیا

شہداد کوٹ 8 مارچ کو ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کے کور گروپ نے سول سوسائٹی کی تنظیموں کے ساتھ ''عورتوں کے حقوق'' کا عالمی دن منایا۔ عورتوں کے حقوق کے حوالے سے ایک سیمینار ''عورت اور سماج'' کے عنوان سے منعقد کیا گیا۔ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے جے اے سی کی کوآرڈینیٹر سائرہ خان نے کہا کہ عورت سماج کی ترقی میں سب سے اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سماجی ترقی کے لئے عورت نے ہمیشہ جدوجہد کی۔ انہوں نے کہا کہ عورتوں کو حقوق سے محروم رکھنے سے کوئی سماجی ترقی نہیں کرسکتا۔ اس موقع پر افتخار حسین منگی نے کہا کہ عورتوں کو تشدد کا شکار بنایا جارہا ہے۔ جو مذمت لائق عمل ہے۔ انہوں نے کہا کہ 8 مارچ خواتین کے حقوق کے لیے ہونے والی جدوجہد کی وجہ سے منایا جاتا ہے۔ اس دن دنیا نے عورتوں کے حقوق کا اعتراف کرتے ہوئے عورتوں کے حقوق کے لیے کنونشن میں تسلیم کیا تھا کہ عورتوں کو بطور انسانی حقوق دیئے جائیں اور ڈکلیریشن منظور کیا تھا۔ اس موقع پر ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان ایچ آر سی پی کور گروپ قمبر شہداد کوٹ کے ندیم جاوید منگی نے کہا کہ آج کے دن ہم سب کی عورتوں کے حقوق کے لیے کی گئی جدوجہد رنگ لائی تھی، اس لئے آج ہمیں عورتوں کے حقوق کا عہد کرنا ہے کہ عورتوں کو حقوق ملنے تک یہ جدوجہد رہے گی۔

(ندیم جاوید منگی)

خیرپور میرس 8 مارچ کو یوم خواتین کے حوالے سے خیرپور میں ایک پروگرام کا انعقاد کیا گیا جس میں متعدد افراد نے شرکت کی۔ شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے عبدالمنیم ابڑو نے کہا کہ خواتین کو مردوں کے برابر حقوق نہیں دیئے جارہے۔ سال 2014ء کے دوران ضلع خیرپور میں مختلف واقعات میں 156 افراد قتل ہوئے جن میں 33 خواتین شامل تھیں۔ خواتین پر گھریلو تشدد بھی بہت ہورہا ہے۔ انہیں کاری کے الزامات لگا کر قتل کیا جارہا ہے۔ ضلع بھر میں سال 2014ء کے دوران مختلف وجوہات کی 30 خواتین نے خودکشی کی تھی اور 40 خواتین نے اقدام خودکشی کیا، 20 خواتین کو اغواء کیا گیا اور 17 خواتین پر جنسی تشدد ہوا، 17 خواتین کو کاری کے الزام میں قتل کیا گیا جبکہ دو بچیوں کو سگ چٹی میں دیا گیا۔ محمد رفیق نے کہا کہ آج بھی خواتین بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہیں۔ سندھ میں خواتین کو متعدد سنگین مسائل درپیش ہیں جن میں خواتین کو بنیادی حقوق کا نہ ملنا، بچپن میں شادی، کاروکاری، بنیادی تعلیم اور صحت کی سہولیات کا نہ ملنا اور دیگر بہت سارے مسائل ابھی بھی حل طلب ہیں۔ ان کو حل کر کے خواتین کو حقوق دیئے جائیں۔ محمد سلمان مغل نے کہا کہ لڑکیوں کے کئی سکول آج بھی بند پڑے ہیں لیکن کوئی خاطر خواہ اقدامات نہیں اٹھائے گئے۔ سلمان الاہی شیخ نے کہا کہ سال 2013ء میں کم عمری کی شادی کے خلاف بل منظور کیا گیا تھا لیکن اس پر عمل نہیں ہوسکا۔ سندھ کے دیہات کی خواتین آج بھی علاج کی سہولیات سے محروم ہیں جس کی وجہ سے سینکڑوں خواتین بچوں کی پیدائش کے دوران ہی وفات پاجاتی ہیں۔ دفتروں اور اداروں میں کام کرنے والی خواتین بھی خود کو غیر محفوظ سمجھتی ہیں۔ خلیل الرحمان بلوچ نے کہا کہ بعض خواتین سماجی رکاوٹوں کے باوجود کامیاب سماجی زندگی بسر کررہی ہیں جو دیگر کے لیے رول ماڈل ہیں۔ مس آسیہ میمن نے کہا کہ خواتین کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے بہت محنت درکار ہے۔ خواتین کو جو حقوق ملنے چاہئیں تھے وہ انہیں نہیں مل رہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ سندھ کی خواتین آج کے دور میں بھی جدید سہولیات سے محروم ہیں۔ خواتین میں اپنے حقوق کے شعور کی کمی ہے۔ مس مہرالنساء نے کہا کہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر عورت کو اسے اپنے حقوق کی آگہی دے تاکہ وہ سماج میں اچھی زندگی گزارسکیں۔ ایسے پروگرام دیہاتوں میں وہاں کی خواتین میں آگہی پیدا کرنے کے لیے کرائے جائیں تاکہ دیہات کی خواتین اپنے حقوق سے آگاہ ہوسکیں۔

> خواتین کے حقوق کے بارے میں قوانین موجود ہیں لیکن ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ قانون موجود ہی نہیں۔ لہذا قوانین پر عمل کروایا جائے تاکہ خواتین کو ان کے حقوق مل سکیں۔ دیہات کی عورت اپنے حقوق نہیں جانتی اس لیے وہ خود پر ظلم اور جبر اپنا مقدر سمجھ کر برداشت کرلیتی ہے۔

نذیر احمد نے کہا کہ خواتین کے حقوق کے بارے میں قوانین موجود ہیں لیکن ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ قانون موجود ہی نہیں۔ لہذا قوانین پر عمل کروایا جائے تاکہ خواتین کو ان کے حقوق مل سکیں۔ دیہات کی عورت اپنے حقوق نہیں جانتی اس لیے وہ خود پر ظلم اور جبر اپنا مقدر سمجھ کر برداشت کرلیتی ہے۔ محمد ایوب نے کہا کہ ترقی پذیر ممالک میں ان پڑھ خواتین سے بدترین سلوک کیا جاتا ہے۔ ہمیں اپنی بچیوں کو تعلیم دینی چاہئے تاکہ وہ معاشرے میں اپنا مقام حاصل کرسکیں۔

آخر میں تمام شرکاء نے اس بات پر متفقہ قرارداد منظور کی کہ خواتین کو ان کے حقوق دلوانے کے لیے ہر آدمی اپنے حیثیت کے مطابق اپنا فرض ادا کرلے گا تاکہ خواتین کو ان کے حقوق مل سکیں۔

(عبدالمنیم ابڑو)

تربت ایچ آر سی پی اسپیشل ٹاسک فورس تربت مکران اور ایس پی او تربت کے زیر اہتمام مُلّا فاضل ہال ایس پی او تربت میں ایک سیمینار منعقد ہوا جس میں 70 کے لگ بھگ خواتین و حضرات نے شرکت کی۔ سیمینار کے شرکاء زرجان نصیر، ماہین وہاب، پروین نور، گل افروز گل، محراب بلوچ، غنی پرواز اور ممتاز احمد ڈی سی نے خطاب کر کے خواتین کے عالمی دن اور خواتین کے حقوق اور ان کی خلاف ورزیوں کے سلسلے میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا، اور اُن کے متاثرہ حقوق کی بحالی پر زور دیا۔ آئندہ پروگراموں میں خواتین کی زیادہ سے زیادہ شرکت کے لئے خواتین رابطہ کمیٹی، کے نام سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس میں سنگین گچکی، شہناز شبیر، زرجان نصیر، گل افروز گل، فضیلہ عزیز دشتی، ریحانہ نور اور گوہر پر مشتمل تھی۔ آخر میں ایچ آر سی پی تربت ٹاسک فورس اور ایس پی او تربت کی طرف سے حمل امین نے 5 قراردادیں پیش کیں جن میں سے پہلی قرارداد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ تعلیمی میدان میں مکران سمیت بلوچستان بھر میں خواتین کی پسماندگی اور مردوں کے مقابلے میں شرح تعلیم کی کمی کے پیش نظر یہاں کی خواتین کو وقتاً فوقتاً تعلیمی پیکج دیئے جائیں۔ جس کے تحت پانچ ہزار لڑکیوں اور خواتین کو ان کی ضروریات کے مطابق مفت تعلیم دی جائے، یا پھر انہیں اتنے وظائف دیئے جائیں کہ وہ حسب ضرورت تعلیم حاصل کرسکیں۔ دوسری قرارداد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ چونکہ

روزگار کے شعبے میں مکران سمیت بلوچستان بھر کی خواتین مردوں سے کافی پیچھے ہیں اور بعض شعبوں میں بالکل نظر ہی نہیں آتیں، اس لئے انہیں وقتاً فوقتاً روزگار کے شعبے میں بھی پیکج دیئے جائیں ۔ تیسری قرارداد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ خواتین کو مختلف بیماریوں کا سامنا رہتا ہے، جن میں دل کی بیماریاں، آنکھوں کی بیماریاں، معدے کی بیماریاں، پیروں کا درد، ریڑھ کی ہڈی کا درد، خون کی کمی، وضع حمل سے متعلق بیماریاں اور خواتین سے متعلق بہت سی دیگر بیماریاں شامل ہیں۔ جبکہ تربت، گوادر اور چمکان کے ہسپتالوں میں علاج معالجے کے مناسب انتظامات نہیں ہیں، اس لئے مکران کے ان تینوں اہم ترین شہروں کے ہسپتالوں میں ضروری سامان واسباب اور ماہر ڈکٹروں کی فراہمی سمیت مکمل انتظامات کئے جائیں۔ چوتھی قرارداد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ تربت شہر کچرا کا ایک ڈھیر بن چکا ہے، اور یہاں کافی عرصے سے نہ تو صفائی کی گئی ہے، نہ گٹرلائنوں کی مرمت کی گئی ہے اور نہ اسپرے کیا گیا ہے، جس سے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین میں بھی طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہورہی ہیں، جبکہ موجودہ صوبائی حکومت کی جانب سے میونسپلٹی کو ضروری سامان اور فنڈ وافر مقدار میں دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا اب تربت شہر میں صفائی، گٹرلائنوں کی مرمت اور اسپرے کی ایک باقاعدہ مہم شروع کی جائے۔ اور پانچویں قرارداد میں مطالبہ کیا گیا کہ اگرچہ تربت ماڈل سٹی پروجیکٹ ایک بہترین پروجیکٹ ہے، لیکن اسے غلط لوگوں کے حوالے کرکے غلط طریقے سے چلایا جارہا ہے، جس کے نتیجے میں دیواروں، واٹر پائپ لائنوں اور کیبل، فون اور نیٹ کنیکشنز کو بڑی تعداد میں توڑا گیا ہے، اور انہیں بحال کرنے کی رفتار بے حد سُست ہے۔ لہذا یہ پراجیکٹ بہتر طور پر چلایا جائے اور اسے جلد از جلد مکمل کیا جائے تاکہ مزید تکالیف اور نقصانات سے بچا جاسکے۔

(غنی پرواز)

ملتان مورخہ 7 مارچ 2015 بمقام گلزار ٹاؤن ملتان میں خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے جسٹس اینڈ پیس کمیشن کے زیر اہتمام ''میں ایک عورت ہوں، مجھے اس پر فخر ہے'' کے عنوان سے ایک سیمینار منعقد کیا گیا۔ اس تقریب میں ریجنل کوآرڈینیٹر سسٹر روزینہ اعمانویل ،ریجنل اینیمیٹر فیاض امین، ایڈمن پراجیکٹ کوآرڈینیٹر نعیم ہارون ، پراجیکٹ اسسٹنٹ وومن ڈیسک حفظیا افتخار، رضیہ ایرک ،عظمت ہدایت، ڈاکٹر لیاقت رشید ،نوید عامر جیوا (سابقہ ایم۔پی۔اے)، بابو نفیس انصاری (سابقہ ایم۔پی۔اے)، ملک آصف رسول اعوان (ضلعی نائب صدر پیپلز پارٹی) اور گردونواح (لاسال کالونی، طارق آباد، نذیر ٹاؤن اور گلزار ٹاؤن) سے متعدد خواتین نے شرکت کی جبکہ سہولتِ کار کے فرائض حفظیا افتخار اور سنگیتا ہدایت نے سر انجام دیئے۔ شرکا نے کہا کہ پہلی خاتون وزیراعظم شہید بے نظیر بھٹو ،پہلی خاتون سپیکر قومی اسمبلی ڈاکٹر فہمیدہ مرزا، پہلی خاتون چیئرپرسن سینٹ نور جہاں پانیزئی، آسیہ ناصر (ایم این اے)، عاصمہ جہانگیر، میرا فیلبوس (وفاقی محتسب)، ملالہ یوسفزئی اور مدر ٹریسہ پوری دنیا کے لئے عملی نمونہ اور مشعل راہ ہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے نام قرطاس ہستی پہ زندہ وتابندہ رہیں گے۔ مقررین نے خواتین کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ خواتین اور ان جیسی دیگر خواتین ہمارا فخر ہیں۔ ان کی جدوجہد خواتین کے لیے انمول ورثہ ہے۔ اور اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ خواتین کسی سے کم نہیں اور ان میں بھی زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنی خدمات سرانجام دینے کی بھرپور صلاحیتیں موجود ہیں۔ شرکا سے خطاب کرتے ہوئے سسٹر روزینہ نے کہا کہ عورت اور مرد برابر ہیں لیکن بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں مرد کی اہمیت زیادہ ہے جس کی وجہ سے خواتین کے حقوق کی پامالی ہورہی ہے۔ یہ پامالی نہ صرف معاشرتی بلکہ ریاستی سطح پر بھی ہورہی ہے۔ خواتین کے بہت سارے مسائل بشمول سیاسی عمل اور اعلیٰ ملازمتوں میں نظر انداز کرنے کی وجہ سے ان میں احساس محرومی کی فضا جنم لے رہی ہے۔ خواتین کے حقوق کے حوالے سے صرف قانون سازی ہی ریاست کی ذمہ داری نہیں بلکہ قانون پر عمل درآمد بھی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ حفظیاہ افتخار نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آبادی کے لحاظ سے پاکستان میں خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے لیکن جینڈر گیپ انڈکس 2014 کے مطابق صنفی امتیاز کے حوالے سے پاکستان دوسرے نمبر پر ہے جو کہ انتہائی تشویشناک اور لمحہ فکریہ ہے۔ خواتین کے خلاف امتیازی سوچ کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ معاشرتی وملکی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو ترقی کے برابر مواقع فراہم کیے جائیں اور جو خواتین زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنی گراں قدر خدمت پیش کررہی ہیں ان کو معاشرتی اور ملکی سطح پر سراہا جائے۔ سیمینار کے دوران خواتین نے اپنے حقوق اور عظمت کے حوالے سے ثقافتی خاکے، نظمیں اور لوک نغموں میں شرکت کی۔ اس موقع پر مختلف سوالات اور کھیلوں کے مقابلے کروائے گئے اور جیتنے والی خواتین کے درمیان انعامات تقسیم کئے گئے تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور یہ اپنے آپ کو پاکستان کی مفید شہری بنا کر ملک وقوم کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔

> پاکستان میں خواتین خصوصاً دیہی مزدور خواتین کو زمین سے بے دخلی، انتہائی کم اجرت، تعلیم کی عدم دستیابی جیسے مسائل درپیش ہیں۔ خواتین کو سیاسی معاملات میں شراکت دار بنانا ہوگا کیونکہ اس کے ذریعے صنفی تفریق میں کمی آئے گی۔

(فیاض امین تیجا)

حیدرآباد 8 مارچ کو ملک بھر کی طرح حیدرآباد میں بھی عالمی یوم خواتین منایا گیا۔ عالمی یوم خواتین پر حقوق وتحفظ نسواں کی مختلف تنظیموں کے علاوہ محنت کش تنظیموں اور سول سوسائٹی کی جانب سے ریلیوں اور سیمینارز کا انعقاد کیا گیا اور خواتین پر مظالم کو اجاگر کرنے کے لیے اسٹریٹ تھیٹر بھی پیش کیا گیا۔ حیدرآباد سول سوسائٹی کی مختلف تنظیموں کی جانب سے عالمی یوم خواتین کے موقع پر اولڈ کیمپس چوک سے پریس کلب تک ریلی نکالی گئی۔ ریلی کی قیادت پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر اشوتھاما، ایس پی او کے مصطفیٰ بلوچ، سندھ ہاری کونسل کے صدر پنہل ساریو، ویمن ایکشن فورم کی مسرت شاہ، زیب النساء، کیتھولک ویمن آرگنائزیشن کی دونیا متی، پرویز بھٹی، سندھ کمیونٹی فاؤنڈیشن و دیگر نے شرکت کی۔ اس موقع پر شرکاء نے گرلز سکولوں پر حملوں کے بڑھتے ہوئے واقعات پر تشویش کا اظہار کیا اور مطالبہ کیا کہ ملوث افراد کے خلاف فوجی عدالتوں میں مقدمات چلائے جائیں۔ مقررین نے کہا کہ 2008ء میں سندھ حکومت نے بے زمین مرد وخواتین ہاریوں میں 2 لاکھ ایکڑ زمین تقسیم کرنے کا پروگرام شروع کیا تھا، جس کا مقصد سندھ میں غربت کا راستہ روک کر بیروزگاری کو ختم کرنا اور باوقار زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کرنا تھا۔ لیکن افسوس کہ سندھ حکومت نے اپنے اس پروگرام کو اب تک مکمل نہیں کیا۔ مقررین کا کہنا تھا کہ زرعی اور صنعتی محنت کشوں اور خصوصاً خواتین کا اتحاد ہی ایک نئی تحریک کو جنم دے گا۔ زرعی مزدور جن کی اکثریت خواتین، بچوں اور مذہبی اقلیتوں پر مشتمل ہے، جاگیردارانہ نظام کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ مظاہرین نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ خواتین کے خلاف امتیازی قوانین کا خاتمہ کرکے انہیں برابر کا شہری تسلیم کیا جائے۔ سندھ ایگری کلچر ورکرز یونین اور دیگر تنظیموں کی جانب سے مشترکہ ریلی نکالی گئی۔ ریلی میں دیہی علاقوں سے تعلق رکھنے والی خواتین بھی بڑی تعداد میں شریک تھیں۔ شرکاء سے فیڈریشن کی زہرا خان، سندھ ایگری کلچر کی رہنما فیض خاتون، ورکرز فیڈریشن کے عبدالطیف نظامانی، نیشنل ٹریڈ

یونین فیڈریشن کے مشتاق علی شان ودیگر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں خواتین بدترین استحصال کا شکار ہیں۔ایک طرف سماجی رویےاور روایات عورت کوغلام بنانے پر تلے ہوئے ہیں تو دوسری جانب پیداواری عمل میں عورتوں کے استحصال کی ایک بڑی وجہ ان کی کم اجرت ہے۔انہوں نے کہا کہ اس وقت ملک میں لاکھوں کی تعداد میں خواتین ملوں، فیکٹریوں، کارخانوں اور گھروں میں ملکی معیشت میں اہم کردار ادا کررہی ہیں لیکن وہ اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہیں۔

عوامی ورکرز پارٹی اور اس کے شعبہ خواتین کی جانب سے پریس کلب تک ریلی نکالی گئی اور خواتین پر مظالم اور ان کی دوسرے درجے کی شہری ہونے کی حیثیت کے عنوان پر سٹریٹ تھیٹر بھی پیش کیا گیا۔پاکستان کسان مزدور تحریک کے کارکنوں نے کہا کہ پاکستان میں خواتین خصوصاً دیہی مزدور خواتین کو زمین سے بے دخلی، انتہائی کم اجرت، تعلیم کی عدم دستیابی جیسے دیگر مسائل درپیش ہیں۔انہوں نے مزید کہا کہ خواتین کو سیاسی معاملات میں شراکت دار بنانا ہوگا کیونکہ اس کے ذریعے صنفی تفریق میں کمی آئے گی۔سیدزین شاہ نے کہا کہ معاشرے میں خواتین ظلم کا شکار ہیں۔خاص طور پر دیہی علاقوں میں خواتین ایک عذاب جیسی صورتحال میں مبتلا ہیں۔ شعبہ خواتین کی صدر زاہدہ ابڑو نے کہا کہ ہم اپنی جدوجہد لڑکیوں کی تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت دیں گے کیونکہ خواتین تعلیم اور شعور کے ذریعے ہی اپنے حق تسلیم اور حاصل کرسکتی ہیں۔تقریب سے حنا سولنگی، نوربانو، صائمہ شاہ اور دیگر نے بھی خطاب کیا۔آج دنیا بھر میں خواتین کے حقوق کا عالمی دن منایا جارہا ہے مگر بدقسمتی سے پاکستان بالخصوص سندھ میں ہزاروں خواتین کو کاروکاری قرار دے کر قتل کردیا جاتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار ادارہ برائے عوامی اختیار ومساوات کی چیئرپرسن پروین ناز شیخ نے اپنے ایک بیان میں کیا۔پاکستان میں وڈیرانہ وجاگیردارانہ سوچ رکھنے والے لوگوں نے ہمیشہ عورتوں کے حقوق ہی سلب نہیں کئے بلکہ ان معصوموں پر الزامات لگا کر اپنے مفاد کی تکمیل نہ ہونے کی صورت میں کاری قرار دے کر قتل کیا جاتا ہے۔

(لالہ عبدالحلیم)

حیدرآباد 7مارچ2015 کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق اسپیشل ٹاسک فورس حیدرآباد نے خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے ڈسٹرکٹ بارایسوایشن جام شورو کے تعاون کے سے تقریب کا انعقاد کیا۔جس میں خواتین وکلاء، این جی اوز، سماجی اور ادبی حلقوں کے افراد نے شرکت کی۔ تقریب کی مہمان خصوصی محترمہ رفیعہ بنگش تھیں جو ایک سماجی تنظیم " آباد" کی سربراہ بھی ہیں۔انھوں نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ خواتین کے لیے بنائے گئے قوانین پر عمل کیا جائے تاکہ معاشرے میں خواتین کو تحفظ کا کچھ احساس دلایا جاسکے۔ پاکستان میں خواتین کے لیے تحریری قوانین میں امتیازی سلوک اور کم تر حیثیت کو ختم کرنا ضروری ہے۔سندھ اسمبلی میں 19 مارچ 2013 میں گھریلو تشدد سے تحفظ کے لیے بل منظور کیا گیا۔لیکن اس بل کے منظور ہونے کے بعد بھی صورتحال میں تبدیلی نہیں۔آئی اس کی ایک وجہ تو تعلیم کی کمی اور قوانین کے بارے میں آگہی کا نہ ہونا ہے۔اگر قانون ہے تو اس کو عملی طور نافذ کرنے میں بہت سی پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔قانون کے نفاذ کو آسان اور سادہ بنانے کی ضرورت ہے۔

1908 میں نیویارک کے گارمنٹ فیکٹری کے مزدوروں کی ہڑتال نے صرف ایک تاریخ رقم نہیں کی بلکہ تاریخ کے دھارے کو موڑا۔ آج پوری دنیا میں بہت سے انسانی اور سماجی معاملات کو باقاعدہ تسلیم کیے جانے کے پیچھے بھی اسی تحریک کا دخل جاری ہے۔ان میں ایک اہم دن عورتوں کے حوالے سے بھی ہے جو پہلی بار امریکہ میں **28** فروری کو سوشلسٹ پارٹی کی طرف سے **1908** کے ورکرز کے ہمراہ احتجاج کرتی عورتوں کے اعزاز میں منایا گیا۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق اسپیشل ٹاسک فورس حیدرآباد کی کاؤنسل ممبر ایڈوکیٹ پروین سومرو نے اپنے خطاب میں کہا کہ گھریلو تشدد بحیثیت مجموعی انسانی حقوق کا مسئلہ ہے۔سوال یہ ہے کہ کسی بھی ملک کے آئین اور قوانین عورت کو کیا تحفظات فراہم کرتے ہیں۔سالوں سے جاری خواتین کی جدوجہد کا نتیجہ جہاں مثبت رہا وہاں منفی بھی رہا۔پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مطابق پاکستان میں اوسطاً 8 خواتین روزانہ عصمت دری کا شکار ہوتی ہیں۔جن میں پانچ کی عمر 18 سال سے کم ہوتی ہے اور دو تہائی سے زیادہ خواتین اجتماعی آبروریزی کا شکار ہوتی ہیں۔اسی طرح ذہنی یا نفسیاتی تشدد میں کئی چیزیں شامل ہیں۔ ہر وہ عمل جس سے ذہنی کوفت، خوف یا انتشار پیدا ہو، خواتین سے بدکلامی، انہیں بے عزت کرنا، دھتکارنا، صنفی امتیاز اور کم حیثیت سمجھنا۔امید ہے کہ آنے والے سالوں میں عملی میدان میں کامیابی نصیب ہوگی۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق اسپیشل ٹاسک فورس حیدرآباد کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر اشوتھاما نے خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا کہ ایچ آر سی پی طویل عرصے سے خواتین پر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز اٹھاتا آیا ہے۔

1908 میں نیویارک کے گارمنٹ فیکٹری کے مزدوروں کی ہڑتال نے صرف ایک تاریخ رقم نہیں کی بلکہ تاریخ کے دھارے کو موڑا۔آج پوری دنیا میں بہت سے انسانی اور سماجی معاملات کو باقاعدہ تسلیم کیے جانے کے پیچھے بھی اسی تحریک کا عمل دخل ہے۔ان میں ایک اہم دن عورتوں کے حوالے سے بھی ہے جو پہلی بار امریکہ میں 28 فروری کو سوشلسٹ پارٹی کی طرف سے 1908 کے ورکرز کے ہمراہ احتجاج کرتی عورتوں کے اعزاز میں منایا گیا۔1910 میں کوپن ہیگن میں بین الاقوامی سوشلسٹ میٹنگ میں باقاعدہ عورتوں کا عالمی دن ترتیب دیا گیا تاکہ حقوقِ نسواں کی تحریکوں اور عورتوں کے لیے عالمی حق رائے دہی کے حصول میں حمایت حاصل کی جاسکے۔چنانچہ خواتین کا پہلا عالمی دن 19 مارچ 1911 کو آسٹریا، ڈنمارک، جرمنی اور سوئٹزرلینڈ میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے منایا۔انھوں نے ریلیوں میں شرکت کی اور چند اہم نکات کی بھرپور حمایت کی جن میں عورتوں کو انتخاب کا حق، سرکاری ملازمتیں کرنے، کام کے حق اور ملازمتوں میں عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کے خاتمے جیسے مطالبات شامل تھے۔14-1913 میں یہ دن خود پہلی عالمی جنگ کے خلاف احتجاج کی شکل اختیار کرگیا۔بطور امن تحریک کے پہلی بار روس کی عورتوں نے اپنا پہلا عالمی دن ماہ فروری کے آخری اتوار کو منایا۔1975 تک اقوامِ متحدہ نے 8 مارچ بطور یومِ نسواں منانا شروع کردیا اور 1977 کی جنرل اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کی کہ اقوام متحدہ اور اس کے تمام رکن ممالک عورتوں کا عالمی دن اور عالمی یومِ امن الگ الگ منائیں گے۔اس ضمن میں 1995 کا بیجنگ ڈیکلیریشن بہت تاریخی اہمیت کا حامل ہے جس میں 189 حکومتوں نے ایک ایسی دنیا کا خواب دیکھا جہاں ہر عورت تشدد سے محفوظ زندگی بسر کرسکے اور اسے تمام بنیادی حقوق میسر ہوں۔عورتوں کی حیثیت سے متعلق کمیشن کے 98 اجلاس منعقد کئے جاچکے ہیں۔ 2014 میں، عورتوں کے انتہائی پیچیدہ معاملات جن کا تعلق ان کی صنفی برابری اور حقوق سے تھا، سے متعلق ایک اجلاس منعقد کیا گیا جس کا مرکزی نقطہ صدی کے ترقیاتی مقاصد میں عورتوں اور لڑکیوں کو درپیش مسائل حل کرنا تھا۔

تقریب سے انسانی حقوق کے کارکن اقبال ڈیتھور، راحیل قاضی اور ڈسٹرکٹ بار کے عہدیداروں نے خطاب کیا۔

(غفرانہ، ایچ آر سی پی اسپیشل ٹاسک فورس، حیدرآباد)

مزاحمت اور قوت برداشت کی کہانیاں

کراچی 9 مارچ کو خواتین کے عالمی دن کی مناسبت سے ''مزاحمت اور قوت برداشت کی کہانیاں'' کے عنوان سے ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا جس سے خطاب کرتے ہوئے معروف سماجی کارکن اور ادبی نقاد نیلوفر فرخ نے کہا کہ پاکستان نے خواتین کی دو بڑی تحریکوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ایک تحریک 1947ء کے بعد چلی تھی جب تقسیم کے نتیجے میں نقل مکانی اختیار کرنے والی خواتین کی مدد کے لیے آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن (اے پی ڈبیلوے) کا قیام عمل میں لایا گیا جبکہ دوسری تحریک 1980ء کی دہائی میں چلی تھی۔اس ملک کی خواتین نے حدود قوانین کے خلاف منظم جدوجہد کی تھی۔

نیلوفر پروگرام کی صدارت کے فرائض سرانجام دے رہی تھیں جسے دو نشستوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔پہلی نشست خواتین کے عالمی دن کے لیے جبکہ دوسری نشست شہید ریسرچر اور سماجی کارکن پروین رحمان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے مختص کی گئی تھی۔

سماجی کارکن اور ماہر تعلیم شہناز وزیر علی نے کہا کہ بیشتر خواتین کو اس حقیقت کا علم نہیں کہ انہیں آج جو آزادیاں حاصل ہیں وہ گزشتہ دور کی خواتین کی جدوجہد کا نتیجہ ہیں۔ حالات اِس جیسے نہیں تھے جیسے اب ہیں اور نہ ہی یہ سمجھنا چاہئے کہ ہمیں آج حاصل آزادیاں بغیر کسی جدوجہد کے ملی ہیں۔ 1977ء میں منتخب شدہ جمہوری وزیراعظم کی تنزلی اور جو کچھ اس کے بعد وقوع پذیر ہوا، وہ پاکستان کی تاریخ کے تاریک ترین برس تھے جو ملک کو کئی عشرے پیچھے لے گئے۔ پھر وکلاء، صحافیوں، طالبعلموں اور خواتین جو اس جدوجہد کا مرکزی نقطہ تھیں، انہوں نے اپنے حقوق کے لیے مشترکہ جدوجہد کی۔

محترمہ وزیر علی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ایک جمہوری حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد ضیاء کو بعض حلقوں کی مدد کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ اس نے مذہبی گروہوں سے رابطہ کیا جنہوں نے دیگر سیاسی جماعتوں سے اپنے راستے جدا کئے اور خواتین کے لیے دائرہ تنگ ہوتا گیا۔

پاکستان میں خواتین کو درپیش حالیہ مسائل پر بحث کرتے ہوئے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی چیئرپرسن زہرا یوسف نے کہا کہ انہیں یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ ان کی سالانہ رپورٹ میں خواتین کے متعلق باب ہمیشہ طویل ہوتا ہے۔

گزشتہ برس فرزانہ پروین کو سنگسار کر کے مارنے اور ایک مسیحی جوڑے کو توہین رسالت کے الزام میں جلانے (خاتون حاملہ تھی) سمیت دیگر خواتین دشمن اقدامات کا ذکر کیا اور مزید کہا کہ شمالی وزیرستان سے بے دخل ہونے والی خواتین کی بطور آئی ڈی پیز موجودگی کو مقامی آبادیاں اپنی ہتک تصور کرتی ہیں تاہم خواتین اور بچے جو بے دخل افراد کا 73 فیصد ہیں۔اُس وقت نہایت اذیت کا شکار ہوتے ہیں جب ان کے

پاکستان میں خواتین کو درپیش حالیہ مسائل پر بحث کرتے ہوئے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی چیئرپرسن زہرا یوسف نے کہا کہ انہیں یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ کمیشن کی سالانہ رپورٹ میں خواتین کے متعلق باب ہمیشہ طویل ہوتا ہے۔

بزرگ اور مرد اُنہیں پیٹتے ہیں اور راشن کے لیے صف بندی کرتے وقت انہیں قطار سے باہر دھکیل دیتے ہیں۔

محترمہ یوسف نے یہ بھی کہا کہ ہر سال اوسطاً 600 خواتین اجتماعی جنسی تشدد، 828 جنسی تشدد جبکہ ہر پانچ میں سے ایک خاتون گھریلو تشدد کا نشانہ بنتی ہے۔انہوں نے اس بے نام پاکستانی خاتون کی ستائش کی جو اپنے خاندان کو خوراک مہیا کرتی ہے اور کہا کہ پاکستان کے عوام کو حقیقی معنوں میں صنفی مساوات اور سیکولرازم قبول کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

ویمن ایکشن فورم (ڈبلیوے ایف) کی کارکن نزہت کوائی نے اپنی ان ساتھیوں کو خراج تحسین پیش کیا جو اب ہم میں موجود نہیں ہیں۔ انہوں نے معروف صحافی اور انسانی حقوق کی کارکن دنیب سنبل جن کی بیٹی اب اُن کے عظیم کام کو جاری رکھے ہوئے ہے، وکیل شہلا ضیاء، صحافیوں آمنہ اعظم علی، نجمہ بابر، رضیہ بھٹی، سینیا حسین، نزہت امین اور ماہر تعلیم انیتہ غلام علی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اصل چیز یہ نہیں کہ وہ ہمیں چھوڑ گئی ہیں بلکہ یہ ہے کہ اُنہوں نے کس طرح انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

جنسی تشدد کے خلاف جنگ کی کارکن سارہ زمان، عورت فاؤنڈیشن کی روبینہ بروہی ایڈووکیٹ، ناؤ کمیونٹیز کی فرحت پروین بابر اور سندھ کے محتسب منتخب ریٹائرڈ جسٹس پیر علی شاہ نے خواتین پر تشدد کے متعلق قوانین اور ان میں ترامیم پر روشنی ڈالی۔

پروگرام کی دوسری نشست کو پروین رحمان کی خدمات پر تبادلہ خیال کے لیے مختص کیا گیا تھا جنہیں 13 مارچ، 2013ء کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اس نشست کے دوران تسنیم صدیقی، انیس ہارون اور انور راشد نے پروین کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

تسنیم صدیقی نے کہا کہ ''داؤد کالج آف انجینئرنگ وٹیکنالوجی سے ماہر تعمیرات کے طور پر گریجوایشن کرنے کے بعد پروین امیر لوگوں کے گھروں کے نقشے بنانے کے کام سے خوش نہیں تھی۔ اس کے مزاج کی بے چینی اُسے ٹاؤن تعمیر کرنے کے منصوبہ ساز عارف حسن کے پاس لے گئی جنہوں نے اسے ڈاکٹر حمید اختر کے پاس بھیجا (اورنگی پائلٹ پراجیکٹ پر کام کرنے کے لیے)۔ زیادہ تر نوجوان غریبوں کے لیے کام کرتے ہوئے تھک جاتے ہیں مگر پروین 30 برس تک ان کے لیے کام کرتی رہی ____ اس وقت تک جب انہیں کام سے اپنے گھر جاتے ہوئے قتل کر دیا گیا۔ ان کے جذبے نے انہیں وہ عظیم کام کرنے پر مجبور کیا جو وہ ان تمام برسوں کے دوران کرتی رہیں''۔

انیس ہارون نے کہا کہ ''پروین نے غرباء کے مفادات کے لیے کام کیا ہے۔ وہ چاہتی تھیں کہ غریب لوگ تمام بنیادی سہولیات سے مستفید ہوں اور ان کا معیار زندگی بہتر ہو۔ پروین نے ان عناصر کو بھی بے نقاب کیا جو اس مقصد کے حصول کی راہ میں حائل تھے۔

انور راشد نے کہا: ''پروین خود امراء کے طبقے سے تعلق رکھتی تھیں۔ شروع شروع میں وہ اردو بھی اچھی طرح نہیں بول سکتی تھیں مگر انہوں نے ڈاکٹر حمید اختر کے ہمراہ کراچی کے تنگ اور گنجان آباد کوچوں میں کام کیا کیونکہ ان کے دل میں غریبوں کے لیے درد تھا۔ اور اس تمام جدوجہد کے دوران میڈیا سے نظریں چرانے والی لڑکی ایک گمنام شخصیت کے طور پر زندگی بسر کرتی رہی۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ روزنامہ ڈان)

کم عمری کی شادی کی روک تھام سے متعلق یادداشت

پس منظر

کم عمری کی شادی فرد کے بنیادی حق کے منافی ہے جو نہ صرف اسے شادی کے وقت اور شریک حیات کے انتخاب سے متعلق فیصلہ کرنے کے اختیار سے محروم کر دیتی ہے بلکہ اس پر منفی جسمانی، نفسیاتی اور جنسی اثرات بھی مرتب کرتی ہے۔ علاوہ ازیں، یہ متاثرہ فرد کے تعلیم کے حق کی پامالی کا بھی باعث بنتی ہے جس کی آئین میں ضمانت دی گئی ہے۔

کم عمری کی شادی کم عمری کی شادی کے متاثرین کی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے کیونکہ یہ ان کے اپنے مستقبل کے چناؤ کے اختیار کو محدود کر دیتی ہے۔ خواتین کے معاملے میں ذاتی اور سماجی اثرات کے حوالے سے یہ معاملہ اور بھی اہم ہو جاتا ہے کیونکہ پاکستان میں شادی ایک لڑکی کی تولیدی زندگی کے راستے کا تعین کر دیتی ہے۔

اگرچہ ملک میں مجموعی طور پر خواتین کی شادی کی عمر میں اضافہ ہو رہا ہے تاہم اب بھی 13 فیصد خواتین کی 15 سال کی عمر میں اور 40 فیصد خواتین کی 18 برس کی عمر میں شادی کر دی جاتی ہے۔

رُٹگرز کی جانب سے کی گئی ایک تحقیق کے مطابق کم عمری کی شادی اور کم شرح خواندگی کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ وہ خواتین جن کی 16 برس کی عمر سے پہلے شادی کر دی گئی وہ ان خواتین کی نسبت زیادہ ناخواندہ (% 70) رہیں جن کی 16 برس یا اس سے زیادہ عمر میں شادی (% 61) کی گئی۔

کم عمری کی شادی زچگی کے دوران خواتین کی بلند شرح اموات کی بنیادی وجوہات میں سے ایک ہے جس کے مطابق ایک لاکھ زندہ پیدائشوں کے دوران 276 خواتین انتقال کر جاتی ہیں (پی ڈی ایچ ایس (13-2012)۔ ان پریشان کن اعداد و شمار کے باوجود پاکستان کے چند علاقوں میں کم عمری کی شادی اب بھی عام ہے اور آبادی کونسل کے مطابق اگر حکومت نے اس آفت پر قابو پانے کی بجائے خاموشی اختیار کئے رکھی تو تقریباً دس کروڑ لڑکیاں کم عمری کی شادی کا نشانہ بن سکتی ہیں۔

پاکستان خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے کے میثاق اور بچوں کے حقوق کے میثاق کا فریق ہے۔ ان دونوں کنونشنوں کا بنیادی فلسفہ بچوں کا بہترین مفاد اور تمام حقوق کی بلاامتیاز فراہمی ہے۔ کم عمری کی شادی ان دونوں کنونشنوں کی بہت سی شقوں کی خلاف ورزی کا باعث بنتی ہے۔ تعلیم، صحت، بقاء، جنسی استحصال سے تحفظ کا حق، یہ سب حقوق سیڈا اور سی آر سی میں بیان کئے گئے حقوق کی فراہمی کو یقینی بنانے کے حوالے سے انتہائی اہم ہیں۔ کم عمری کی شادی کا معاملہ مذکورہ کنونشنوں کے تحت تشکیل دی گئی کمیٹی کے لئے خاصی تشویش کا باعث رہا ہے۔ سیڈا اور سی آر سی کمیٹیاں اب ان واقعات پر خصوصی توجہ دینے لگی ہیں جن میں خواتین کی کی مکمل، آزادانہ اور باخبر رضامندی کے خلاف شادی کر دی گئی، مثال کے طور پر ایسے واقعات جن میں ان کی اتنی کم عمر میں شادی کر دی گئی کہ وہ جسمانی اور نفسیاتی طور پر بالغ زندگی کے لئے تیار نہیں تھیں یا وہ دانشمندانہ فیصلے کرنے کے قابل نہیں تھیں، اور یوں وہ شادی پر رضامند ہونے کے لئے تیار نہیں تھیں۔

کم عمری کی شادی کے اثرات

> کم عمری کی شادی کے معاشرے، نفسیات اور صحت پر شدید اثرات مرتب ہوتے ہیں اور یہ اس بچے پر بھی بری طرح اثرانداز ہوتی ہے جسے ایک بالغ کا کردار سونپ دیا جاتا ہے۔

کم عمری کی شادی کے معاشرے، نفسیات اور صحت پر شدید اثرات مرتب ہوتے ہیں اور یہ اس بچے پر بھی بری طرح اثرانداز ہوتی ہے جسے ایک بالغ کا کردار سونپ دیا جاتا ہے۔ لڑکیاں ایک ایسی عمر میں ماں بن جاتی ہیں جب وہ خود بچوں کے زمرے میں آتی ہیں۔ یہ اذیت نسل در نسل جاری رہتی ہے، جو بچوں کو مستقل طور پر غیر محفوظ بنا دیتی ہے جس کے باعث وہ اپنے بنیادی آئینی حقوق اور اپنی پسند کے مستقبل سے محروم ہو جاتے ہیں۔

کم عمری کی شادی کا ایک بلاواسطہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لڑکیاں کم عمر میں ماں بن جاتی ہیں اور اس کے باعث انہیں زیادہ پیچیدگیوں بالخصوص ان بیماریوں (جیسے کہ ناسور) کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو منظر عام پر نہیں آتیں۔ یو این ایف پی اے کی ایک رپورٹ کے مطابق ''نوعمر ماؤں سے پیدا ہونے والے دس لاکھ بچے اپنی پہلی سالگرہ کو نہیں پہنچ پاتے۔ مزید لاکھوں بچے پانچ سال کی عمر کو پہنچنے تک وفات پا جائیں گے۔'' برٹش میڈیکل جرنل کی حال ہی میں شائع ہونے والی تحقیق سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ وہ لڑکیاں جن کی 18 سال کی عمر سے پہلے شادی کر دی جاتی ہے ان سے پیدا ہونے والے شیر خوار بچے ناقص غذائیت سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

پاکستان میں تین چوتھائی ماؤں کی اموات زچگی اور پیدائش کے بعد کے عرصے کے دوران ہوتی ہیں اور ماؤں کی اموات کی تین بنیادی وجوہات درج ذیل ہیں:

☆ پیدائش کے بعد کے عرصے کے دوران خون کا جاری ہونا۔

☆ اجسام کا گلنا سکڑنا اور

☆ اشنا ج (ایک شدید مرض جس میں وضع حمل کے دوران تے اور بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے)۔

قانونی ڈھانچہ

موجودہ قانونی ڈھانچہ جامع تو ہے لیکن یہ اتنا جامع نہیں کہ یہ کسی قسم کے مزاحمتی اثرات چھوڑ سکے۔ مزید برآں بہت سی شقیں سی آر سی کی روح کے مطابق نہیں ہیں۔ کم عمری کی شادی کی روک تھام سے متعلق قوانین درج ذیل ہیں:

☆ کم عمری کی شادی کی ممانعت کا ایکٹ، 1929ء جس کا نفاذ تین صوبوں میں کیا گیا۔

☆ سندھ کا کم عمری کی شادی کی ممانعت کا ایکٹ، 2013ء

☆ تعزیرات پاکستان کا سیکشن 375 جس میں جنسی زیادتی کی کی وضاحت کی گئی ہے۔

☆ خواتین مخالف سرگرمیوں کی روک تھام کا ایکٹ، 2011ء

☆ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس، 1961ء (ایم ایف ایل او)

ضابطہ تعزیرات پاکستان کے سیکشن 375 میں جنسی زیادتی کی تعریف کچھ اس طرح سے کی گئی ہے:

اگر کوئی شخص ذیل میں بیان کئے گئے اجزاء کے زمرے میں آنے والے حالات کے تحت کسی خاتون کے ساتھ جنسی اختلاط کرے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے جنسی زیادتی کا ارتکاب کیا:

(i) اس کی منشاء کے خلاف

(ii) اس کی رضامندی کے خلاف

(iii) اس کے رضامندی سے، جب یہ رضامندی اسے موت یا زخمی کرنے کے خوف میں مبتلا کر کے حاصل کی گئی ہو۔

(iv) اس کی رضامندی سے، جب وہ شخص جانتا ہو کہ متعلقہ خاتون اس کے نکاح میں نہیں ہے اور یہ کہ اس خاتون نے اس وجہ سے رضامندی ظاہر کی ہو کہ وہ شخص ایک غیر مرد ہے جس سے اس کی شادی ہونے والی ہو یا جس کے بارے میں اسے یقین ہو کہ وہ اس سے شادی کرے گا؛ یا

(v) اس کی رضامندی سے یا اس کی رضامندی کے بغیر، جب خاتون کی عمر 16 برس سے کم ہو۔

کم عمری کی شادی اسلامی جمہوریہ پاکستان میں دیے گئے مندرجہ ذیل بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے:

☆ آرٹیکل 9: فرد کی سلامتی؛

☆ آرٹیکل 11: غلامی، جبری مشقت وغیرہ کی ممانعت

☆ آرٹیکل 14: فرد کے وقار کی حرمت

☆ آرٹیکل 25: شہریوں کی برابری اور،

☆ آرٹیکل A-25: تعلیم کا حق

آرٹیکل 7۔ ریاست کی تعریف: ''ریاست سے مراد وفاقی حکومت وفاقی حکومت، مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ)، ایک صوبائی حکومت، ایک صوبائی اسمبلی، اور پاکستان کے ایسے مقامی اور دیگر ادارے ہیں جنہیں قانون نے ٹیکس یا دیگر محصول عائد کرنے کا اختیار دیا ہو۔

کم عمری کی شادی اور تعلیم کے مابین تعلق

کم عمری کی شادی کے مسئلے کو حل کرنا کبھی بھی اتنا آسان کام نہیں رہا کیونکہ اس سرگرمی کے جاری رہنے کی کئی وجوہات ہیں۔ ان وجوہات میں مذہبی تحریری مواد کی غلط تشریح، غربت، ناخواندگی اور مروجہ رسم ورواج شامل ہیں۔ بہت سی تحقیق میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ کم عمری کی شادی اور رسمی تعلیم مکمل کرنے میں ناکامی کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ دنیا بھر کے بچوں کی صورتحال سے متعلق یونیسیف کی سالانہ رپورٹ کے مطابق ''اگر ماں کی عمر 18 سال سے کم ہو تو اس کے شیر خوار بچے کے پہلے سال مرنے کا خطرہ اس شیر خوار بچے سے 60 فیصد زیادہ ہوتا ہے جو 19 سال سے زائد عمر کی ماں سے پیدا ہوا ہو۔ اگر وہ بچہ بچ بھی جائے تو اسے دیگر مسائل جیسے کہ پیدائش کے وقت کم وزن، غذائیت کی کمی اور سست جسمانی اور ذہنی نشوونما کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔''

ہم جس تناظر میں کام کر رہے ہیں اگر اسے ذہن میں رکھا جائے تو تعلیم اس مسئلے کو حل کرنے کا سب سے غیر متنازعہ ذریعہ ہے۔ آئین کا آرٹیکل A-25 ایک خوش آئند اقدام ہے جو یہ کہتا ہے کہ: ''ریاست پانچ سے سولہ سال کی عمر کے تمام بچوں کو قانون کے متعین کردہ طریقہ کار کے مطابق مفت اور لازمی تعلیم مہیا کرے گی۔'' اب وقت آ گیا ہے کہ تمام متعلقہ افراد اس ملک کے ہر بچے کو اس حق کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے اقدامات کریں۔ یہ کہنا غیر ضروری ہوگا کہ تعلیم میں اتنی طاقت ہے کہ یہ کم عمری کی شادی کا سدباب کر سکے۔

ناخواندہ لڑکیوں کی کم عمری میں شادی کا ان لڑکیوں سے چھ گنا زیادہ امکان ہوتا ہے جنہوں نے نے ثانوی تعلیم حاصل کی ہو۔ 2012ء اور 2013ء میں 15 سے 19 سال کی عمر کی 53.7 فیصد شادی شدہ لڑکیوں نے سکول کی تعلیم حاصل کی۔ چنانچہ کم عمری کی شادی کو روکنے کا اس سے موثر ذریعہ اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ تعلیم کے حق کے موثر نفاذ کو یقینی بنایا جائے جس کا پاکستان کے دستور کے آرٹیکل A-25 میں ذکر کیا گیا ہے۔ ذیل میں بیان کئے گئے حقائق سے اس دعوے کو مزید تقویت ملے گی:

☆ تعلیم یافتہ لڑکیوں اور کم عمر خواتین کو اپنے حقوق اور ان فیصلوں سے متعلق زیادہ آگہی ہوتی ہے جو ان کی اور ان کے بچوں کی صحت اور نشوونما پر اثر انداز ہوتے ہوں۔

☆ سہارا کے ذیلی افریقی علاقوں جنوبی اور مغربی ایشیا میں آٹھ میں سے ایک لڑکی کی 15 برس کی عمر میں شادی کر دی جاتی ہے۔ جب انہیں ابتدائی تعلیم کے مقابلے میں ثانوی تعلیم تک رسائی ہو تو یہ صورتحال ڈرامائی طور پر تبدیل ہو جاتی ہے:

کم عمری کی شادی: پرائمری تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیوں میں کم عمری کی شادی کی شرح 14 فیصد کم ہے جبکہ ثانوی تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیوں کی کم عمری میں شادی کی شرح 59 فیصد کم ہے۔

کم عمری میں زچگی: پرائمیر تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیوں میں کم عمری میں زچگی کی شرح 10 فیصد کم ہے۔

☆ شرح پیدائش: ناخواندہ لڑکیوں میں شرح پیدائش 6.7 فیصد ہے جبکہ پرائمری تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیوں میں یہ شرح کم ہو کر 5.8 فیصد اور ثانوی تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیوں میں 3.9 فیصد رہ جاتی ہے۔

☆ ہزار سالہ ترقیاتی اہداف کے حصول کا ایک اہم ذریعہ اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ لڑکیاں سکول کی تعلیم مکمل کریں۔

☆ پاکستان میں صرف 30 فیصد ناخواندہ خواتین کا یہ ماننا ہے کہ اپنے بچوں کی تعداد سے متعلق رائے دینے کا اختیار حاصل تھا۔ اسے کے مقابلے میں پرائمری تعلیم حاصل کرنے والی 52 فیصد اور نچلی ثانوی تعلیم حاصل کرنے والی 63 فیصد خواتین کا کہنا تھا کہ انہیں یہ اختیار حاصل تھا۔

بچوں کے حقوق سے متعلق میثاق

پاکستان نے بچوں کے حقوق سے متعلق میثاق (سی آر سی) اور خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے سے متعلق میثاق (سیڈا) پر دستخط کر رکھے ہیں۔ خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے سے متعلق میثاق کے آرٹیکل 16.3 میں کم عمری کے شادی کی ممانعت کی گئی ہے۔ اگرچہ اس میثاق میں کم عمری کی شادی کا واضح طور پر کوئی ذکر نہیں کیا گیا تاہم اس کا تعلق دیگر حقوق سے ہے، جیسے کہ اپنے خیالات کے آزادانہ اظہار کا حق، ہر قسم کے ناروا سلوک سے تحفظ کا حق، اور رواجات سے متعلق نقصان دہ سرگرمیوں سے تحفظ کا حق۔ ان دونوں کنونشنوں میں کم عمری کی شادی کا بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ذکر کیا گیا ہے اور ان میں فریق ریاستوں کو اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ وہ اپنے ملک میں سی آر سی اور سیڈا کے بنیادی فلسفے کی مطابقت میں قانون سازی کریں۔ کم عمری کی شادی مذکورہ کنونشنوں کے متعدد حقوق/ دفعات کے منافی ہے۔ کم عمری کی شادی جن حقوق کی پامالی کا باعث بنتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

☆ کسی بچے کی منگنی یا شادی قانونی طور پر موثر نہیں ہوگی، اور شادی کی کم سے کم عمر مقرر کرنے اور سرکاری ریکارڈ میں شادیوں کے اندراج کو لازمی بنانے کے لئے قانون سازی سمیت تمام ضروری اقدامات کئے جائیں گے۔ (آرٹیکل (2) 16 سیڈا)

☆ تعلیم کا حق (آرٹیکل 28، سی آر سی)

☆ جنسی زیادتی سمیت ہر قسم کی جسمانی یا ذہنی تشدد، چوٹ یا ناروا سلوک سے تحفظ (آرٹیکل 19) اور ہر قسم کے جنسی استحصال سے تحفظ کا حق (آرٹیکل 34، سی آر سی)۔

☆ صحت کے اعلیٰ ترین قابل حصول معیار سے مستفید ہونے کا حق (آرٹیکل 24، سی آر سی)

☆ تعلیمی اور پیشہ ورانہ معلومات اور رہنمائی کا حق (آرٹیکل 28، سی آر سی)

☆ معلومات اور تصورات کے حصول اور انہیں دوسروں تک پہچانے کا حق (آرٹیکل، 13، سی آر سی)

☆ آرام اور فرصت، اور ثقافتی زندگی میں آزادانہ شرکت کا حق (آرٹیکل 31، سی آر سی)

☆ اپنی مرضی کے خلاف والدین سے الگ نہ ہونے کا حق (آرٹیکل 9، سی آر سی)

☆ بچے کی بہبود کے کسی بھی پہلو پر اثر انداز ہونے والے ہر قسم کے استحصال سے تحفظ کا حق (آرٹیکل، 36، سی آر سی)

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ادارہ تعلیم و آگاہی (آئی ٹی اے) اور جمہوری کمیشن برائے انسانی ترقی (ڈی سی ایچ ڈی)

ادیب سب کی نگاہوں کا مرکز تھے

آئی۔اے۔رحمٰن

یہ انتہائی مُسرت آمیز امر ہے کہ فروری کا مہینہ پاکستان میں ادبی تقریبات منانے اور متبادل میڈیا میں اظہارِ خیال کرنے میں عوام کی کامیابی کا مہینہ ثابت ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس برس منعقد ہونے والے کراچی لٹریچر فیسٹیول (کے ایل ایف) اور لاہور لٹریچر فیسٹیول (ایل ایل ایف) نے بلوغت کی منزل پالی ہے۔

کے ایل ایف نے اپنی نوعیت کی سب سے بڑی ملکی تقریب ہونے کی حیثیت برقرار رکھی۔ اس کے دو روزہ پروگرامز میں 73 نشستیں (18 کتابوں کی تقریب رونمائی ہوئی) تھیں جبکہ ایل ایل ایف کی اس سے کچھ زیادہ یعنی 76 نشستیں (10 کتابوں کی تقریب رونمائی ہوئی) تھیں۔ تکثیریت کی جستجو دونوں تہواروں میں نمایاں تھی۔ کے ایل ایف میں ادب کے علاوہ فن، سیاست، شہری منصوبہ بندی اور تعلیم کے موضوعات شامل تھے۔ ایل ایل ایف میں بھی یہی موضوعات تھے تاہم فنون، موسیقی اور کھیلوں پر نسبتاً زیادہ زور دیا گیا تھا۔ کے ایل ایف میں تنقیدی آراء کا برملاء اظہار کیا گیا۔ مثال کے طور پر عارف حسن نے کراچی کے دولت مند طبقے کے پسماندہ طبقے پر مظالم اور انتظامیہ کے جابرانہ طرائق کار پر تنقید کی۔

دونوں مقامات پر منعقد ہونے والے جشن میں بچھڑے ہوئے پیاروں کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔ کراچی میں حبیب جالب، رشید جہاں اور مصدق سانول جبکہ لاہور میں فیض، نور جہاں اور عمران میر کی خدمات کو سراہا گیا۔ فن کو سمجھنے کے نئے زاویے دریافت ہوئے۔ مثال کے طور پر نور جہاں کے ایک جنگی نغمے کو ایک انسانیت دوست ماں کی جنگ مخالف پکار کے طور پر دیکھا گیا۔

دونوں جگہوں پر ہندوستانی مہمان اپنے غیر مبہم خیالات اور اظہار کی لطافت کے باعث تعریف کے مستحق قرار پائے۔ نین تارا سہگل اور ریٹو مینن کی کراچی میں جبکہ رومیلا تھاپر، نصیر الدین شاہ اور شوبھا ڈے کی لاہور میں ستائش کی گئی۔ انہوں نے اور ان کے پاکستانی ہم منصوبوں نے باہمی احترام اور دوستانہ رشتے کی پُل تعمیر کی جسے دونوں ممالک کے کوتاہ بین رہنما گرانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان جیسے جشن دو ناراض بھائیوں کو ایک دوسرے کے قریب لاسکتے ہیں چنانچہ ادبی تہواروں کے لیے ویزا سے پاک نظام کے لیے کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

کے ایل ایف میں 'جمہوریت کی شکست' جبکہ ایل ایل ایف میں 'اندرونی اختلافات کے باوجود پُرامن بقائے باہمی' جیسے موضوعات زیرِ بحث رہے جو کہ پاکستان کے موجودہ بحران کے حوالے سے غالباً سب سے زیادہ متعلقہ موضوعات تھے۔ موخرالذکر موضوع پر خالد احمد، رومیلا تھاپر، عائشہ جلال اور عاصمہ جہانگیر نے اظہارِ خیال کیا۔ بحث لازمی طور پر عقیدے کے زیرِ تسلط سیاست کے گرد گھومتی رہی۔

رومیلا تھاپر کے اس دعوے سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا کہ جمہوریت اور سیکولرازم لازم وملزم ہیں اور نہ ہی عائشہ جلال کے اس موقف سے اختلاف کی کوئی گنجائش ہے کہ جمہوریت، رواداری اور غالب مسلم طرزِ فکر کا تنقیدی جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ عاصمہ جہانگیر نے پاکستان کے آئین اور سیاسی ڈھانچے کو جمہوریت کے پیمانے پر ماپنے کی سعی کی۔ اگر جمہوریت اور سیکولرازم کے باہمی انحصار کو مسلمہ تاریخی حقیقت کے طور پر قبول کیا جائے اور سیاسی نظاموں کو اقلیتوں کے تناظر سے دیکھنے کی بجائے جمہوریت اور حقوق کے نقطۂ نظر سے پرکھا جائے تو جنوبی ایشیا میں

> جس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا وہ اقلیتوں کا سیکولر اقدار کے دفاع میں ناقابل فراموش کردار ہے جس پر اعتزاز احسن نے اپنے روایتی پُرجوش اندازِ خطابت میں انہیں دیگر شہریوں سے بہتر پاکستانی قرار دیا اور رانا بھگوان داس کو انتہائی قابل جج قرار دیا۔ یہ کلمات قابل احترام جج کی رحلت سے صرف ایک دن قبل کہے گئے تھے۔

سیاست پر بحث کو مزید مفید بنایا جاسکتا ہے۔

جس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا وہ اقلیتوں کا سیکولر اقدار کے دفاع میں ناقابل فراموش کردار ہے جس پر اعتزاز احسن نے اپنے روایتی پُرجوش اندازِ خطابت میں انہیں دیگر شہریوں سے بہتر پاکستانی قرار دیا اور رانا بھگوان داس کو انتہائی قابل جج قرار دیا۔ یہ کلمات قابل احترام جج کی رحلت سے صرف ایک دن قبل کہے گئے تھے۔

وہ دن پاکستانی عدلیہ کی تاریک ترین ایام میں شامل ہے جس دن سندھ ہائی کورٹ بینچ میں رانا بھگوان داس کی شمولیت کو ان کے عقیدے کی بناء پر چیلنج کیا گیا تھا۔ اُس اعتراض کا ہدف ایک سندھی تھا جو کہ اپنی مادرِ وطن کی صوفیانہ روایات میں رچا بسا ہوا تھا، جس نے اسلامیات میں ایم اے کیا ہوا تھا، جس نے اسلامی اقدار کی تعریف میں نظمیں لکھی تھیں اور جو غالباً اسلام کے متعلق اپنے بدگو مخالفین سے زیادہ علم رکھتا تھا۔ یہ صورتحال ایک ایسے ملک میں ہے جہاں وکلاء کی کئی نسلوں نے ہدایہ ہیملٹن (ایک انگریز) سے اور محمڈن لاء مُلا (ایک پارسی) سے سیکھا تھا۔

اگر یہ پاکستان کا تاریک پہلو تھا تو اس کے روشن پہلو کی ترجمانی سندھ ہائی کورٹ کے ایک فیصلے نے کی تھی جس نے بھگوان داس کو چیلنج کرنے والی درخواست کو خارج کردیا اور سپریم کورٹ میں ان کی تعیناتی کے لیے راہ ہموار کی۔ اس فیصلے نے یہ ثابت کردیا کہ اگر ارباب اختیار تشدد کے داعیوں اور اُن کے سینے میں پوشیدہ جہل پسندی پر غلبہ پالیں تو پاکستانی عوام کے لیے اندرونی اختلافات کے باوجود پُرامن بقائے باہمی کو ممکن بنانا مشکل کام نہیں ہے۔ رانا بھگوان کا تعلق ججوں کی اُس گم ہوتی ہوئی نسل سے تھا جو صرف اپنے فیصلوں کے ذریعے بولتے تھے جس کی وجہ نہ صرف عدالتی اخلاقیات کے ساتھ ان کی وابستگی تھی بلکہ ایک عدم رواداز مسلم معاشرے میں اُن کا احساسِ عدم تحفظ بھی تھا۔

رانا بھگوان داس کی قربانیاں ہمیں غیر مسلم پاکستانیوں کے بوجھ، مصائب اور محرومیوں کا نوٹس لینے پر مجبور کرتی ہیں جن محرومیوں اور مصائب کا شکار وہ اکثریتی کمیونٹی کی اندرونی اختلافات کو نظریاتی رنگ دینے کی غیر ذمہ دارانہ روش کے باعث ہوئے ہیں۔ دوسری تشویش ناک بات یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہندوستانی اب عقیدے کی بنیاد پر امتیازی سلوک اور تشدد کی طرف گامزن ہوتے جارہے ہیں۔

کراچی ادبی جشن (کے ایل ایف) اور لاہور ادبی جشن (ایل ایل ایف)، دونوں اپنے تجربات سے سیکھ رہے ہیں۔ کے ایل ایف نے 'میں کراچی ہوں' اور پوسٹرز کی نمائش کا اہتمام کرکے اپنی جمہوری ساخت کو مزید وُسعت دی ہے۔ اول الذکر کراچی کے 30 شہریوں کی بنائی گئی ایک انجمن ہے جس کا مقصد امن، ثقافت، فنون اور کھیلوں کے فروغ کے لیے عوامی مقامات کے حصول کے لیے مقامی تحریک چلانا ہے۔ موخرالذکر پوسٹرز بین الاقوامی مقابلہ جات کے ذریعے انسانی حقوق کے فروغ کی تحریک کا حصہ ہیں۔ ابڑو نے کے ایل ایف میں 100 پوسٹرز کی نمائش کی جنہیں پانچ برس کے عرصہ میں منتخب کیا گیا تھا۔

دونوں تہواروں نے اردو کے علاوہ دیگر قومی زبانوں کے ادیبوں کو بھی ایک پلیٹ فارم مہیا کیا مگر وہ زیادہ توجہ پانے کے خواہشمند ہوسکتے ہیں۔ اس طرح کے تہواروں میں بلوچی، بروہی، پنجابی، پشتو اور سندھی ادب سے متعلقہ تقاریب کا باری باری انعقاد کیا جانا انتہائی مفید ثابت ہوسکتا ہے۔

نوجوانوں کی کاوشوں اور امنگوں کے چند حوالے بھی دیئے گئے مگر انہیں اپنے متعلق خود اظہارِ خیال کرنے کا موقع دینے کی ضرورت ہے۔ نوجوان ادیب بھی وہاں موجود تھے۔ دونوں تہواروں پر چند ابھرتے ہوئے ستاروں میں علی اکبر ناطق شامل تھے جو کہ پہلے سے ہی ایک ناول اور افسانوں کی ایک کتاب کے مصنف ہیں اور اپنے افسانوں اور شاعری کے انگریزی میں تراجم کرچکے ہیں۔

دونوں تہواروں کے منتظمین کو سکیورٹی سے متعلقہ خدشات لاحق تھے جس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ لوگوں کو لکھنے، نقاشی کرنے اور اپنی پسند کے انداز اور مقام پر گانے کا حق فراہم کرنے کے لیے دیگر اقدامات کے علاوہ عدم رواداری اور تشدد کے خلاف جنگ بھی ضروری ہے۔ اس حق کے بغیر انسانی زندگی خودرو جنگلی گھاس سے بھی بدتر ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ روزنامہ ''ڈان'')

شعبہ مدارس: جامع پالیسی کا فقدان

محمد عامر رانا

پاکستان کے شعبہ مدارس کو ملک میں بڑھتے ہوئے عدم تحفظ کا ایک بڑا سبب سمجھا جارہا ہے، بالخصوص قومی ایکشن پلان کے اعلان کے بعد سے۔ اس امر کی عکاسی 23 مارچ کو ملٹری پریڈ کے موقع پر پریڈ ایونیو کے نزدیک واقع مدارس کو ایک ہفتے کے لیے بند کرنے کے اسلام آباد انتظامیہ کے فیصلے سے بھی ہوتی ہے۔ ذرائع ابلاغ کی اطلاعات کے مطابق، یہ فیصلہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کی ہدایت پر کیا گیا تھا۔

دوسری طرف حکومت شعبہ مدارس میں اصلاحات لانے کی نیم دلانہ کوششیں کررہی ہے جن میں سکیورٹی کے حوالے سے مطلوبہ بصیرت کا فقدان بھی نظر آرہا ہے۔ حکومت نے تاحال دو مدارس اصلاحات کمیٹیوں کا اجلاس بھی منعقد نہیں کیا جنہیں گزشتہ ماہ چوہدری نثار علی خان نے قائم کیا تھا۔

مدارس کی باگ دوڑ چلانے والوں کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ ریاست کے پاس ان کے ساتھ نبٹنے کے لیے بصیرت، پالیسی یا حکمت عملی نہیں ہے۔ حکومت کو پاکستان میں مذہبی سکولوں کے متعلق مستند کوائف یا ان کی تعداد تک معلوم نہیں ہے۔ مدارس کے منتظمین اور مذہبی حلقے اس حکومتی کمزوری کا مکمل فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان میں واقع مدارس کی تعداد بڑھا چڑھا کر پیش کررہے ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں اپنے پہلے کیے گئے 22000 والے دعوے پر نظرثانی کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان میں مدارس کی تعداد 40000 ہے۔

ایک نامور ادارے نے چند برس قبل پاکستان میں تعلیم اور شدت پسندی پر تحقیق کی تھی جس میں بتایا گیا کہ ایسے طالبعلموں کی تعداد بہت کم ہے جو مذہبی مدارس میں کُل وقتی پڑھائی کرتے ہیں۔ رپورٹ میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ چونکہ مدارس میں زیرتعلیم طالبعلموں کی تعداد بہت کم ہے، لہذا وہ پاکستان میں معیاری تعلیم اور استحکام کے لیے بمشکل ہی خطرے کا سبب ہیں۔ تحقیق کے مطابق، تعلیمی طلب کا 64 سے 67 فیصد حصہ اب بھی سرکاری سکول پورا کررہے ہیں اگرچہ وہاں تعلیم کا معیار ناقص ہے۔ جبکہ 29 سے 33 فیصد بچے نجی سکولوں میں اور صرف 7 فیصد مدارس میں زیرتعلیم ہیں۔ پاکستان میں مدارس کی کل تعداد 10 ہزار سے زائد نہیں ہے۔ ان میں وہ مدارس بھی شامل ہیں جہاں طالبعلموں کی بہت کم تعداد زیرتعلیم ہے۔

یہ بات انتہائی دلچسپی اور توجہ کی حامل ہے کہ شعبہ مدارس کو ملنے والی امداد اس کے حجم کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ یہ رقم کہاں جاتی ہے؟ اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ فنڈز رسمی تعلیم کے شعبہ میں مدارس کے 'تجاوزاتی عمل' کی معاونت کرتے ہیں۔ چند ایک مذہبی جماعتوں اور بڑے مدارس نے ایسے ادارے قائم کئے ہوئے ہیں جنہیں وہ 'جدید اسلامی سکولوں' کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ بات واضح نہیں ہے کہ آیا حکومت مدارس کے مرکزی دھارنے میں آنے کے عمل کو اسی نگاہ سے دیکھ رہی ہے کہ نہیں۔

اگرچہ ہمیں سندھ میں فرضی سکولوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے مگر ایسے مدرسوں کے بارے میں کوئی تحقیقات نہیں کی جارہیں جو کہ صرف کاغذ پر موجود ہیں یا جن کے سائن بورڈ ہمیں شاہراہوں کے کناروں پر نظر آتے ہیں۔ حقیقت میں، پاکستان میں ایسے بہت سے فرضی مدارس ہیں جنہیں 'نامعلوم' افراد صرف عطیات اکٹھا کرنے کے لیے استعمال کررہے ہیں۔

شعبہ مدارس کا دوسرا پہلو ان مذہبی شرفاء کی جانب سے ان کا ناجائز استعمال ہے جو مدرسوں کو اپنے سیاسی حلقہ انتخاب اور اپنی طاقت ورسوخ کے ذریعے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مذہبی شرفاء مدرسوں کے خلاف ہر اقدام کی مزاحمت کرتے ہیں، یہ سوچ کر کہ اس سے ان کے خلاف مزاحمت پیدا ہوگی اور ان پر اندرونی دباؤ پڑے گا۔

پاکستان میں شعبہ مدارس کی توسیع دو مختلف طرائق کار سے ہوئی ہے۔ بڑے مدرسے ملک کے تجارتی اور صنعتی علاقوں میں قائم ہیں جبکہ نسبتاً چھوٹے مدارس مرکزی شاہراہوں کے ساتھ واقع ہیں۔ ان مقامات کے پُرکشش ہونے کی بنیادی وجہ یہاں فنڈز کی آسان دستیابی ہے۔ مرکزی شاہراہوں پر واقع زیادہ تر مدارس بس اڈوں یا چھوٹی شاہراہوں کے مضافات کے نزدیک واقع ہیں اور یہ پورا دن عطیات کے لیے اعلانات کرتے رہتے ہیں۔ جہاں تک مدارس کو ملنے والی بیرونی امداد کا تعلق ہے تو اس کا بہت بڑا حصہ بڑے مدارس کی شاخوں کو چلا جاتا ہے۔ اپنی تعداد میں اضافے کی مبالغہ آمیزی کے باوجود مدارس کو طالبعلموں کے داخلے کے حوالے سے مشکلات کا سامنا ہے۔ حتیٰ کہ بڑے مدارس میں بھی مقامی طالبعلموں کی تعداد بہت کم ہے۔ مدارس کے طلباء کا تعلق بنیادی طور پر ملک کے غربت زدہ یا کشیدگی زدہ علاقوں سے ہے۔

شعبہ مدارس کا دوسرا پہلو ان مذہبی شرفاء کی جانب سے ان کا ناجائز استعمال ہے جو مدرسوں کو اپنے سیاسی حلقہ انتخاب اور اپنی طاقت ورسوخ کے ذریعے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مذہبی شرفاء مدرسوں کے خلاف ہر اقدام کی مزاحمت کرتے ہیں، یہ سوچ کر کہ اس سے ان کے خلاف مزاحمت پیدا ہوگی اور ان پر اندرونی دباؤ پڑے گا۔

دلچسپ طور پر، اگرچہ وہ یہ تاثر دیتے ہیں کہ ادارتی سطح پر ان کے مابین مکمل اتحاد اور ہم آہنگی ہے مگر یہ درست نہیں۔ اس کی ایک مثال مدارس میں اندرونی اصلاحات کی کوششیں ہیں جو کہ آسان اور یکساں عمل نہیں ہے۔ مدارس نجی صنعتوں کی طرح ہیں جن کے پرنسپل اور منتظمین کے پاس بہت زیادہ آزادی اور اختیارات ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے متعلقہ تعلیمی بورڈ اور اوقاف بھی مداخلت نہیں کرسکتے۔ تعلیمی بورڈز کی ذمہ داری صرف ملحق مدارس میں امتحانات کا انعقاد کروانا ہے۔

مدارس خود کو اسلام یا کم ازکم اپنے فرقے کے اسلام کا محافظ تصور کرتے ہیں۔ وہ اس خیال سے متفق نہیں کہ وہ کسی بھی طرح کی انتہا پسندی کو فروغ دے رہے ہیں۔ پاک انسٹی ٹیوٹ برائے پیس سٹڈیز کے ایک سروے کے مطابق مدرسوں کے 79 فیصد اساتذہ مدارس اور انتہا پسندی کے کسی بھی قسم کے تعلق کو تسلیم کرنے سے انکاری تھے اور انہوں نے شدت پسندانہ مدارس اور 'عام' مدارس میں فرق کو ملحوظِ خاطر رکھنے پر زور دیا تھا۔ ان میں سے 8 فیصد کا خیال تھا کہ بعض مدارس انتہا پسندی کے فروغ میں کردار ادا کیا تھا مگر یہ بھی کہا کہ ایسے مدرسے حکومت کے قریب تھے اور یہاں تک کہ انہیں مغرب کی حمایت بھی حاصل تھی۔ حتیٰ کہ انتہا پسندی کو حقیقی مسئلہ قرار دینے والے اساتذہ نے بھی یہ تسلیم کرنے سے انکار کیا کہ مدرسے انتہا پسندی کے پھیلاؤ میں کردار ادا کررہے ہیں۔ شعبہ مدارس مختلف قسم کی مشکلات کا باعث ہے جو کہ عدم تحفظ اور فرقہ وارانہ تشدد سے معاشرے کی تعلیمی وسماجی تبدیلی تک پھیلی ہوئی ہیں۔ مگر حکومت ابہام کا شکار ہے کہ اس تعلیمی شعبے کے ساتھ کیا کیا جائے جو کہ سیکیورٹی سے متعلقہ بہت سے مسائل کا سبب بنا ہوا ہے۔ کسی کو یہ تک معلوم نہیں کہ شعبہ مدارس کی نگرانی کا ذمہ دار کون ہے۔ داخلہ اور مذہبی امور کی وزارتیں ایک دوسرے پر 'ذمہ داری' عائد کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اٹھارویں ترمیم کے بعد، تعلیم صوبائی شعبہ بن چکا ہے مگر زیادہ تر صوبوں نے متعلقہ قانون سازی نہیں کی جبکہ جنہوں نے کی ہے انہوں نے مدرسوں کو نظرانداز کیا ہے۔

صوبوں کو ذمہ داری قبول کرنی پڑے گی اور مدرسوں کے کوائف مرتب کرنے، رجسٹریشن کے عمل کو سنبھالنے، شعبہ مدارس کو مرکزی دھارے میں لانے اور نصابی اصلاحات لانے کا کام کرنا ہوگا۔ سلامتی بھی صوبائی معاملہ ہے اور انہیں اس محاذ پر بھی زیادہ چوکنا ہونا پڑے گا اور دہشت گردی سے منسلک چند مدارس کی نگرانی کا زیادہ بہتر نظام وضع کرنا ہوگا۔

(مصنف سلامتی امور کے تجزیہ کار ہیں)

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

پھانسیاں بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی ہیں

اسلام آباد اقوام متحدہ نے پاکستان میں سزائے موت پر عملدرآمد کے نتیجے میں ہونے والی پھانسیوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ پھانسیوں پر عائد پابندی کو جلد بحال کرے۔ اقوام متحدہ نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ مجرموں کو سزائے موت دینے سے جرائم یا شدت پسندی میں کمی کے شواہد نہیں ملے اور بین الاقوامی قوانین کے تحت پاکستان اس بات کا پابند ہے کہ وہ پھانسیوں پر عملدرآمد روکے۔ پاکستان کے دفتر خارجہ نے ہفتہ وار بریفنگ میں کہا ہے کہ سزائے موت پر عملدرآمد بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ گزشتہ سال پشاور میں فوج کے زیر اہتمام چلنے والے سکول پر دہشت گردوں کے حملے کے بعد سزائے موت پر عملدرآمد شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ آرمی پبلک سکول پر طالبان کے مہلک حملے میں 134 بچوں سمیت ڈیڑھ سو افراد ہلاک ہوئے تھے۔ پہلے مرحلے میں دہشت گردی کے مقدمات میں ملوث افراد کی سزا پر عملدرآمد شروع ہوا لیکن حال ہی میں حکومت نے سزائے موت پر عائد عارضی پابندی مکمل طور پر اُٹھا لی ہے۔ جس کے بعد دہشت گردی کے جرائم میں سزا پانے والے مجرموں کے ساتھ ساتھ دوسرے مجرموں کو بھی تختۂ دار پر لٹکایا جا رہا ہے۔ اس سے قبل پچھلے چھ برس سے پاکستان میں پھانسی کی سزاؤں پر عمل درآمد معطل تھا۔ اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان میں آٹھ ہزار قیدی سزائے موت کے منتظر ہیں۔ اقوام متحدہ نے اپنے بیان میں سزائے موت پانے والے ایک نابالغ مجرم شفقت حسین کے معاملے پر گہری تشویش ظاہر کی ہے اور کہا ہے کہ ایسا مجرم جس نے 18 سال سے کم عمر میں کوئی جرم کیا ہو، اُس کی سزا ختم کی جائے۔ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے کہا ہے کہ زندہ رہنا کسی بھی شخص کا بنیادی انسانی حق ہے۔ سیکریٹری جنرل بان کی مون نے کہا کہ 'اکیسویں صدی میں پھانسی کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ دنیا میں سزائے موت دیے جانے کا رجحان ختم ہو رہا ہے اور اقوام متحدہ کے 160 سے زائد رکن ممالک میں مختلف طرح کے قوانین، رسم و رواج اور مذہبی رجحانات پائے جاتے ہیں، یا تو انھوں نے سزائے موت دینا ختم کر دی ہے یا پھر پھانسیوں پر عملدرآمد روک دیا ہے۔' ادھر اقوام متحدہ میں انسانی حقوق کے کمشنر نے پاکستان میں پھانسی دیے جانے کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ دنیا کوئی بھی عدالت مکمل طور پر بے خطا نہیں ہو سکتی ہے۔ اکیسویں صدی میں پھانسی کو گنجائش موجود نہیں ہے۔ دنیا میں سزائے موت دیئے جانے کا رجحان ختم ہو رہا ہے اور اقوام متحدہ کے 160 سے زائد رکن ممالک میں مختلف طرح کے قوانین، رسم و رواج اور مذہبی رجحانات پائے جاتے ہیں، یا تو انھوں نے سزائے موت دینا ختم کر دی ہے یا پھر پھانسیوں پر عملدرآمد روک دیا ہے۔

بان کی مون

انھوں نے بتایا کہ دسمبر 2014 میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پھانسیوں پر پابندی کے حوالے سے قرارداد پیش کی گئی اور 117 ممالک نے سزائے موت کے عملدرآمد پر پابندی کے حق میں فیصلہ دیا تھا۔ اقوام متحدہ نے پاکستان سے کہا ہے کہ وہ پھانسیوں پر دوبارہ پابندی عائد کرے اور ملک میں رائج عدالتی نظام کو بہتر بنانے کے لیے وہ پاکستان کی مدد کرنے کو تیار ہے۔ اس سے قبل بھی سیکریٹری جنرل بان کی مون نے وزیراعظم نواز شریف کو فون کیا تھا اور کہا تھا کہ پاکستان میں پھانسیوں پر عمل درآمد بند کر کے اس پر عائد پابندی دوبارہ بحال کی جائے جبکہ یورپی یونین نے بھی پھانسیوں پر تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ دفتر خارجہ کی ترجمان تسنیم اسلم نے جمعرات کو ہونے والی ہفتہ وار پریس بریفنگ میں کہا کہ پاکستان میں آئین اور قانونی نظام ہے اور عوام کی جان کا تحفظ کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ (انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

چار ماہ میں 50 سے زائد قیدی تختہ دار پر

--- 10 مارچ کو حکومت نے پھانسی کی سزا پر عمل درآمد پر عائد عارضی پابندی کو مکمل طور پر اٹھا لیا۔ صوبہ پنجاب کے جنوبی شہر ملتان میں 24 مارچ کب علی الصبح نصراللہ نامی شخص کو پھانسی دے دی گئی۔ دسمبر 2014 سے سزائے موت پر سے پابندی اٹھائے جانے کے بعد اب تک پاکستان میں 50 سے زائد افراد کو تختہ دار پر لٹکایا جا چکا ہے۔ نصراللہ کو ملتان سینٹرل جیل میں پھانسی دی گئی۔ ان پر 1994 میں مظفر گڑھ میں پیشی پر عدالت میں ایک شخص کو قتل کرنے کا الزام تھا۔ 1994 میں ہی انھیں مظفر گڑھ کی ڈسٹرکٹ اور سیشن عدالت نے موت کی سزا سنائی تھی۔ سزا کے خلاف انہوں نے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں اپیل کی تھی تاہم عدالتوں نے ان کی سزا کو برقرار رکھا تھا، جس کے بعد انھوں نے صدر پاکستان سے رحم کی اپیل کی تھی جسے مسترد کر دیا گیا تھا۔ دسمبر 2014 سے سزائے موت پر سے پابندی اٹھائے جانے کے بعد اب تک پاکستان میں 50 سے زائد افراد کو تختہ دار پر لٹکایا جا چکا ہے۔ سزائے موت کے منتظر قیدیوں کی تعداد آٹھ ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے۔ پاکستان نے دسمبر میں پشاور سکول حملے کے بعد پہلے دہشت گردی کے مقدمات میں سزائے موت پر سے پابندی ختم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ تاہم رواں ماہ کے اوائل میں تمام صوبائی محکمہ داخلہ کو مراسلہ بھجوایا گیا تھا جس میں تمام مقدمات میں موت کی سزا پانے والے ایسے قیدیوں کی سزاوں پر عمل درآمد کی ہدایت کی گئی تھی جن کا قانونی عمل مکمل ہو چکا ہو اور جن کی تمام اپیلیں مسترد کی جا چکی ہوں۔ انسانی حقوق کی تنظیموں اور خاص طور پر یورپی یونین نے پاکستان میں سزائے موت پر عائد سات سالہ پابندی کے خاتمے پر تشویش کا اظہار کیا اور حکومت سے اپیل کی کہ وہ سزائے موت پر پابندی برقرار رکھے۔ انسانی حقوق کمیشن کے مطابق اس وقت ملک میں تقریباً آٹھ ہزار قیدی موت کی سزا پر عمل درآمد کے منتظر ہیں۔

(بشکریہ بی بی اردو)

13 افراد کی لاشیں برآمد

جنوبی وزیرستان جنوبی وزیرستان میں حکام کا کہنا ہے کہ تقریباً ایک ماہ پہلے لاپتہ ہونے والے 13 افراد کی لاشیں 15 مارچ کو برآمد ہوئی ہیں جنھیں فائرنگ کر کے ہلاک کیا گیا ہے۔ مرنے والے افراد کے بارے میں خیال ہے کہ وہ عسکری تنظیموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ پولیٹیکل انتظامیہ کے مطابق جنوبی وزیرستان کے علاقے شکتوئی میں ماندوو کے مقام سے سنیچر کی شام 13 افراد کی لاشیں برآمد کی گئی جنہیں گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا ہے۔ گورنر خیبر پختونخوا سردار مہتاب احمد خان کی جانب سے جنوبی وزیرستان سمیت قبائلی علاقوں سے بے گھر ہونے والے متاثرین کی واپسی اور بحالی کے مرحلہ وار پروگرام کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس اعلان کے مطابق جنوبی وزیرستان کے متاثرین کی واپسی کا عمل پیر 16 مارچ سے شروع کیا جا رہا ہے۔ گورنر نے کہا کہ خیبر ایجنسی کا علاقہ باڑہ اور شمالی وزیرستان سے بے گھر ہونے والے آئی ڈی پیز کی واپسی کا عمل بھی اس ماہ کے آخر سے شروع کیا جا رہا ہے تاکہ ان متاثرین کو باعزت طریقے سے اپنے علاقوں میں دوبارہ آباد کیا جا سکے۔ (نامہ نگار)

انسانی حقوق کی صورتحال کی بہتری پر زور

ملتان پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی سپیشل ٹاسک فورس ملتان کا فروری کا ماہانہ اجلاس کمیشن کے مقامی دفتر میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں انسانی حقوق کے ممبران، سول سوسائٹی کے عہدیداروں اور وکلاء نے شرکت کی۔ اجلاس میں درج ذیل ایجنڈ اپر مشاورت کی گئی:۔☆☆ قاسم بیلہ ملتان میں راستے کی بندش ☆خواتین کے حقوق کے عالمی دن پر مشاورت ☆انسانی حقوق کی موجودہ صورتحال

اجلاس کے دوران قاسم بیلہ کے رہائشی مہر اشرف اور محمد سلیمان نے شرکاء کو بتایا کہ قاسم بیلہ اور اس سے ملحقہ بستی لنگڑیال، محمد پور گھوٹہ اور بستی خیر پور بھٹہ جن کی آبادی تقریباً 70/80 ہزار سے بھی زیادہ ہے وہاں طالبات کے لئے ایک بھی ہائی سکول نہیں ہے۔ ان علاقوں کی طالبات کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ نصرت الاسلام گرلز ہائی سکول جانا پڑتا ہے۔ جس کا فاصلہ ان کے گھروں سے 10 کلومیٹر بنتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے بہت سے اخراجات کرائے کی نذر ہو جاتے ہیں اور طالبات کو آنے جانے میں بھی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ 2009 میں اس وقت کے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے قاسم بیلہ میں موجود سرکاری زمین پر گرلز ہائی سکول، پلے گراؤنڈ اور طبی سینٹر بنانے کا اعلان کیا تھا جس پر تاحال عملدرآمد نہیں ہو سکا، اور اب قاسم بیلہ سے ملتان کینٹ آنے جانے کے لئے اس راستے کو سیکورٹی خدشات کی وجہ سے بند کیا جا رہا ہے۔ ہمارے معاشرے میں پہلے ہی لڑکیوں کو مشکل سے تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ملتی ہے، اب انتظامیہ کے اس اقدام پر بہت سی طالبات تعلیم سے محروم ہو جائیں گی۔ بات چیت کو آگے بڑھاتے ہوئے شاہد لودھی نے کہا کہ یہ بات واقعی پریشان کن ہے، لوگ سکول، کالج اور ہسپتال کیسے جائیں گے، اتنی بڑی آبادی والے علاقے میں سکول، کالج اور ہسپتال ہونا ضروری ہے تا کہ لوگ تعلیم کے زیور سے محروم نہ ہو سکیں۔ میٹنگ کے دوسرے ایجنڈے کے حوالے سے میں یہ کہوں گا کہ خواتین کا عالمی دن ضرور منانا چاہیے جیسا کہ جناب راشد رحمان صاحب کے دور میں منایا جاتا تھا۔ انسان دوست تنظیم کے رکن عمانوایل عاصی نے کہا کہ ایسا معاشرہ جہاں ونی اور غیرت کے نام پر قتل ہو رہے ہوں وہاں خواتین کا عالمی دن منانا بہت ضروری ہے۔ اس کے لئے بہترین اقدام پرامن ریلی ہو سکتی ہے۔ عوامی آگہی کے لیے ریلی کا انعقاد کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اس طرح بہت سے لوگ اس میں شامل ہو سکیں گے۔ غلام حیدر تھیم نے کہا کہ اہالیان قاسم بیلہ کے ساتھ بہت زیادتی ہے۔ یہاں کی آبادی 2 لاکھ کے قریب ہے، مگر سکول اور صحت کی سہولیات کا فقدان ہے۔ ان کا مزید یہ کہنا تھا کہ اس اقدام سے ان کا شہر سے رابطہ بھی کٹ جائے گا۔ گارڈن ٹاؤن اور سورج میانی والا متبادل راستہ بہت لمبا ہے، اس سلسلہ میں لابنگ کی جا سکتی ہے۔ سیاسی اور سماجی جماعتوں کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔ خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے ریلی یا سیمینار منعقد کرنا چاہیے۔ محمد حسین نے بات چیت کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ ملکی حالات کے پیش نظر وہ سیکورٹی اداروں کے خلاف نہیں جا سکتے۔ روڈ بند ہو رہا ہے تو متبادل راستے کے لئے دستخطی مہم چلائی جا سکتی ہے، اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مقامی نمائندوں سے ملاقات کی جائے۔ عاصمہ خان ایڈووکیٹ نے کہا کہ ایک سکول نہیں بلکہ اتنی بڑی آبادی کے لئے 3 سے 4 سکول ہونے چاہیے اور کالج بھی ہونا چاہیے۔ آج کے بچے کل کا مستقبل ہیں۔ 8 مارچ خواتین کے حقوق کے عالمی دن کے حوالے سے ملکی حالات کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے سیمینار ہونا چاہیے۔ میٹنگ کے آخر میں HRCP سپیشل ٹاسک فورس ملتان کے کوآرڈینیٹر فیصل محمود تنگوانی نے کہا کہ قاسم بیلہ کے مسئلہ پر ہمارے بہت سے ساتھیوں نے بتایا کہ سابقہ وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے وعدہ کیا تھا کہ سکول اور کالج کی قاسم بیلہ میں بہت ضرورت ہے، جلد ہی اس پر عملدرآمد ہوگا۔ مگر افسوس تاحال اس پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔ ہمارا مطالبہ اب بھی حکمرانوں سے یہی ہونا چاہیے کہ قاسم بیلہ میں لوگوں کو تعلیم اور صحت کے جو بنیادی مسائل درپیش ہیں حکومت ان پر توجہ دے۔ یہاں سکول، کالج اور ہسپتال بھی ہونے چاہیے۔ انہوں نے مزید کہا کہ مقامی لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے نمائندگان کو اپنے مسائل کے بارے میں آگاہ کریں۔ ان کو خطوط لکھیں اور ان سے ملاقات کریں تا کہ ان کے مسائل حل ہو سکیں۔

(رپورٹ، محمد اکمل، ایچ آر سی پی، ملتان)

نوجوان کو اغواء کر لیا گیا

گلگت یکم مارچ 2015 کو عبدالوحید اپنے پانچ ساتھیوں کے ہمراہ تین موٹر سائیکلوں پر سوار گوادر شہر سے تقریباً 35 کلومیٹر دور نگور شریف کے مقام پر پکنک منانے گیا، واپسی پر اُس کے ساتھیوں نے عبدالوحید کے والد کو بتایا کہ وہ پکنک منا رہے تھے تو وہاں ایک ڈبل ڈور ویگو گاڑی اور ایک سفید ٹویوٹا کار آ کر رُکی۔ اُن گاڑیوں سے چند نقاب پوش مسلح افراد کے پاس اترے اور انہیں ہاتھ اوپر کرنے کو کہا۔ انہوں نے ہاتھ اُٹھا لیے، وہ ان میں سے ایک شخص کو پکڑ کر لے جانے لگے تو کار سے کسی نے ہاتھ باہر نکالا اور اشارے سے کہا کہ اس کو چھوڑ کر اُسے (یعنی وحید) کو پکڑو۔ پھر اُنھوں نے اُس کو چھوڑا اور عبدالوحید کو پکڑ لیا، اُس کے مُنہ پر نقاب ڈالی اور اُسے ویگو میں ڈال کر روانہ ہو گئے۔ وحید کے والد نے بتایا کہ وحید کا تعلق کسی بھی سیاسی جماعت یا تنظیم سے نہیں ہے، البتہ روزگار نہ ہونے کے سبب وہ ایرانی پٹرول لا کر فروخت کرتا تھا، اسکے علاوہ وہ کسی غیر قانونی کام میں ملوث نہیں تھا۔ انھوں نے بتایا کہ انہوں نے ایف آئی آر بھی درج نہیں کروائی کہ کئی ایسا نہ ہو کہ ان کے بچے کو کوئی نقصان پہنچے۔ جنہوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ ایف آئی آر درج نہ کروائیں وہ عبدالوحید کو چھڑانے کی کوشش کرینگے۔ کسی گروہ یا تنظیم نے اس واقعے کی ذمہ داری قبول نہیں کی۔

اغواء کر کے قتل کر دیا

قلات قلات میں ٹارگٹ کلنگ اغواء برائے تاوان روڈ پر ڈکیتی جیسے جرائم نے لوگوں کو زندگی کو اجیرن بنا دیا ہے۔ 16 مارچ کو قلات سے تقریباً 23 کلومیٹر دور پہاڑی علاقے گور برات میں ایک مزدور نے ایک شخص کی لاش دیکھ کر مقامی لوگوں کو اطلاع دی۔ بعد میں علاقے کے لوگوں نے لیویز اہلکاروں کو اطلاع دی جنہوں نے لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے ہسپتال پہنچا دیا۔ مقتول کی شناخت عبدالعزیز کے نام سے ہوئی اور اس کی عمر 48 سال کے قریب تھی۔ مقتول کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ واقعہ اغواء اور ٹارگٹ کلنگ ہو سکتا ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی ایسے واقعات پیش آئے ہیں۔ (محمد علی)

ٹارگٹ کلنگ میں دو افراد ہلاک

کوئٹہ کوئٹہ میں 15 مارچ کو فائرنگ کے ایک واقعے میں دو افراد ہلاک ہو گئے۔ دونوں افراد کی ہلاکت کا واقعہ اتوار کو سیٹلائٹ ٹاؤن کے علاقے میں پیش آیا۔ سیٹلائٹ ٹاؤن پولیس سٹیشن کے ایک اہلکار نے بتایا کہ دونوں افراد ایک سکول کے قریب ریڑھی پر چاول اور چنے بیچ رہے تھے کہ دو نامعلوم مسلح موٹر سائیکل سواروں نے ان پر فائرنگ کر دی۔ فائرنگ سے شدید زخمی ہونے کے باعث دونوں افراد ہلاک ہو گئے۔ فائرنگ کے بعد مسلح افراد فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ ہلاک ہونے والے افراد کی لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے سول ہسپتال کوئٹہ منتقل کر دیا گیا جن کی شناخت محمد آصف اور محمد عاصم کے ناموں سے ہوئی ہے۔ پولیس اہلکار کے مطابق ہلاک ہونے والے دونوں افراد کوئٹہ آ کر آباد ہوئے تھے۔ تاحال کسی گروہ یا فرد نے اس واقعے کی ذمہ داری قبول نہیں کی ہے۔ ان کی ہلاکت کے بارے میں پولیس تحقیقات کر رہی ہے لیکن ابتدائی تحقیقات کے مطابق یہ ٹارگٹ کلنگ کا واقعہ ہے۔ (نامہ نگار)

قومی کسان کنونشن

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے ملتان میں قومی کسان کنونشن کا انعقاد کیا

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (HRCP) کی جانب سے 15-16 نومبر 2014 کو ملتان کے ایک مقامی ہوٹل میں دو روزہ قومی کنونشن منعقد کیا گیا جس میں پاکستان کے چاروں صوبوں سے تعلق رکھنے والے کسانوں، کسان تنظیموں کے نمائندگان، سول سوسائٹی کے عہدیداران اور وکلاء نے شرکت کی۔ HRCP کے مرکزی دفتر لاہور سے آئی اے رحمان سیکرٹری جنرل HRCP اور محبوب احمد خان صوبائی کوآرڈینیٹر HRCP نے شرکت کی۔ تقریب کے آغاز میں مزدوروں اور کسانوں کے ساتھی اور HRCP سپیشل ٹاسک فورس جنوبی پنجاب کے سابق کوآڈینیٹر جناب راشد رحمان خان مرحوم ایڈووکیٹ سپریم کورٹ کی بے لوث خدمات کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ جس کے بعد کسان کنونشن کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔ تقریب کی کاروائی ذیل میں بیان ہے۔

آئی اے رحمان (سیکرٹری جنرل HRCP)

ساتھیو! کمیشن معذرت خواہ ہے کہ ہم نے پچھلے سال جو معاملات زیر بحث لائے تھے اور کچھ فیصلے کیے تھے ان پر عملدرآمد نہ ہوسکا۔ وہ فیصلے یہ تھے کہ ہم اور ہمارے ساتھی اپنے اپنے علاقے میں جا کر اپنے آپ کو منظم کرنے کی کوشش کریں گے، کسان تنظیموں کو منظم کریں گے اور حالات کا جائزہ لے کر ایک رپورٹ تیار کریں گے۔ اس سارے کام کی کلیدی ذمہ داری راشد رحمٰن پر عائد تھی جنہیں گذشتہ برس بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا جس وجہ سے یہ کام ادھورا رہ گیا۔ اب ہم اس ادھورے کام کو مکمل کریں گے۔ ملتان دفتر میں فیصل تنگوانی صاحب جبکہ لاہور دفتر میں محبوب صاحب سے آپ اس حوالے سے کسی بھی قسم کی معاونت کے لیے رابطہ کر سکتے ہیں۔

نومبر 2013 سے کسانوں کو درپیش مسائل

بازمحمد (نصیرآباد بلوچستان)

نصیرآباد بلوچستان کا زرعی ضلع ہے۔ جہاں پر 85 فیصد لوگوں کا ذریعہ آمدن زراعت سے وابستہ ہے۔ 2012 میں آنیوالے سیلاب نے بڑی تباہی مچائی لاکھوں ایکڑ اراضی پر مشتمل زرعی زمین تباہی ہوگئی۔ 2012 کے سیلاب نے بٹ فیڈر کنال میں دراڑیں ڈال دیں جس کی وجہ سے اب اس نہر میں کم پانی کم چھوڑا جاتا ہے۔ یہ نہر گڈو سے 7200 کیوسک پانی فراہم کرتی تھی جو گزشتہ 3 سالوں سے صرف 3200 کیوسک پانی فراہم کر رہی ہے جس کی وجہ سے خریف کی فصل کے لیے کاشتکاروں کو پانی نہ مل سکا۔ اور جہاں پانی ملا صرف وڈیروں اور جاگیرداروں کی زمینوں کو ملا۔

> زرعی اصلاحات میں کسانوں کے مفاد کو تحفظ اور ان کو نمائندگی دی جائے۔ زمینوں کی تقسیم منصفانہ کی جائے اور بندر بانٹ کے سسٹم کو ختم ہونا چاہیے۔ ملکی سیاست میں کسانوں کو نمائندگی دی جائے۔ کھیت مزدور کی اجرت مقرر ہونی چاہیے اور سرکاری زمین بے زمین کسانوں اور ہاریوں کو دی جائے تاکہ وہ اسے قابل کاشت بنا سکیں اور سب سے اہم یہ ہے کہ بجٹ میں کسانوں کے لیے فنڈز رکھے جائیں اور ہاریوں کے لیے کالونیاں بنائی جائیں۔

پانی کی اس غیر منصفانہ تقسیم نے قبائلی جھگڑوں کو جنم دیا۔ پانی کی تقسیم کے تنازعے پر اس سال 15 افراد موت کے منہ میں چلے گئے۔ 2012 میں اس نہر کی دوبارہ تعمیر کے لیے کروڑوں روپوں کا فنڈ جاری ہوا تھا جو کرپشن کی نظر ہوگیا۔

محمد شاہد علی (ملتان)

زرعی اصلاحات میں کسانوں کے مفاد کو تحفظ اور ان کو نمائندگی دی جائے۔ زمینوں کی تقسیم منصفانہ کی جائے اور بندر بانٹ کے سسٹم کو ختم ہونا چاہیے۔ ملکی سیاست میں کسانوں کو نمائندگی دی جائے۔ کھیت مزدور کی اجرت مقرر ہونی چاہیے اور سرکاری زمین بے زمین کسانوں اور ہاریوں کو دی جائے تاکہ وہ اسے قابل کاشت بنا سکیں اور سب سے اہم یہ ہے کہ بجٹ میں کسانوں کے لیے فنڈز رکھے جائیں اور ہاریوں کے لیے کالونیاں بنائیں جائیں۔

محمد صالح بلو (نواب شاہ)

کیچ کی سرکاری زمین کس کس کے قبضے میں ہے اور کتنی ہے اس کا کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ بننا چاہیے۔ قابض جاگیرداروں سے زمین واہ گزار کرا کر بے زمین کاشتکاروں کو دلوائی جائیں۔ مزارعت ایکٹ میں ترمیم کر کے اس میں کھیت مزدوروں کے حقوق بھی شامل کیے جائیں۔ انعامات اور خدمات کے عوض دی گئی زمین فی الفور بے زمین لوگوں کو دی جائے۔ سندھ میں جاگیرداروں نے عورتوں کے نام پر زمین حاصل کی تھی۔ انکا ریکارڈ بھی سامنے لایا جائے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ بڑے بڑے جاگیردار زرعی زمینوں کو کالونیوں میں منتقل کرا دیتے ہیں ان کو ایسا کرنے سے روکا جائے۔

شہناز خاتون (نصیرآباد بلوچستان)

بٹ فیڈر نہر کے پانی میں اتنا زہر ملا ہوتا ہے کہ ہر تیسرا شخص ہیپاٹائٹس کا مریض ہے۔ ان کی صحت کے متعلق حکومتی سطح پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ اس نہر کا پانی صرف کاشتکاری کے لیے ہی استعمال نہیں ہوتا بلکہ انسان پیتے بھی ہیں۔

علی احمد (بلوچستان)

پانی کی غیر منصفانہ تقسیم کسانوں کا معاشی استحصال ہے۔ بڑے بڑے جاگیردار محکمہ انہار سے مل کر پانی حاصل کر لیتے ہیں اس کے برعکس چھوٹے کاشتکار کا کھیت غیر آباد رہ جاتا ہے۔ بڑے زمیندار جن اصولوں اور معاہدوں پر اپنی زمینیں مزارعوں کو دیتے ہیں وہ معاہدے قانون کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ایسے معاہدوں پر قوانین بنائے جائیں اور ان قوانین کے نفاذ کے لیے خصوصی عدالتیں بنائی جائیں۔

ایوب لغاری (حیدرآباد)

سندھ میں سرکاری فارم موجود ہیں۔ بنی سر اور ہرنی کیٹل فارم جہاں کی ہزاروں ایکڑ زمین اور ہنری میں بودل فارم ٹنڈو محمد خان اور روڑی کنڈی فارم ہے۔ یہ تقریباً لاکھوں ایکڑ زمین بنتی ہے جو سرکاری اہلکاروں نے اپنے قبضے میں لے رکھی ہے۔ اس طرح کچے میں سکھر سے لیکر جامشورو تک ہزاروں ایکڑ زمین پر جاگیرداروں کا قبضہ ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ یہ زمین بے زمین کسانوں کو دی جانی چاہیے۔ اسی طرح تھر میں ہزاروں ایکڑ زمین پر کوئلہ نکلنے کے وقت قبضے شروع ہو جاتے ہیں۔

سید جمیل الرحمان

ضرورت اس امر کی ہے کہ زرعی اصلاحات نافذ کی جائیں اور اب تک زرعی اصلاحات نافذ نہ ہونے کے اسباب

کیا ہیں انہیں تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ بے زمین کاشت کار کی مشکلات دور کرنے کے لیے اقدامات بھی ضروری ہیں۔ایک کسان 25,20 سال ایک کھیت میں کام کرتا ہے لیکن جب زمین کی تقسیم کا وقت آتا ہے تو اسے مالکانہ حقوق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

غلام علی (رحیم یار خان)

اس وقت گنے کی کٹائی ہو رہی ہے اور رحیم یار خان میں 5 شوگر ملیں چل رہی ہیں۔ جب گنا ملوں میں جا رہا ہوتا ہے تو اس وقت پرمٹ کا مسئلہ درپیش آجاتا ہے۔ یہ مسئلہ ان جاگیرداروں نے خود پیدا کیا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ گندم کی کٹائی کے وقت حکومت کی طرف سے باردانہ صرف سیاسی اثر ورسوخ رکھنے والوں اور جاگیرداروں کو ملتا ہے۔

بازمحمد (بلوچستان)

بھٹو دور میں ہونے والی زرعی اصلاحات بہتر تو تھیں لیکن بدقسمتی سے ان پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ زرعی اصلاحات پر عمل درآمد میں سب سے بڑی رکاوٹ سیاسی جماعتیں اور ان کے نمائندے ہیں کیونکہ وہ خود زمیندار ہیں اس لیے وہ نہیں چاہتے کہ ان سے زمینیں لے کر بے زمین لوگوں کو دی جائیں۔

فاروق عالم (خیبر پختونخواہ)

چارسدہ کے مسائل ذرا مختلف ہیں۔ یہاں پر لینڈ مافیا کا ایک گروہ ہے جو چھوٹے کسانوں سے زمین ہتھیاتا ہے۔ لوگ اس خوف سے اپنی زمین سستے داموں فروخت کر رہے ہیں اور ان کی زمینوں پر رہائشی کالونیاں بن رہی ہیں جس سے کھیت مزدور بے روزگار ہو رہا ہے۔ دریائے قابل اور سوات کے کناروں پر بہت ساری زمین سیلاب کی وجہ سے تباہ بھی ہو رہی ہے۔

عابد (نواب پور ملتان)

پنجاب میں اکثر سرکاری زمین انعام واکرام کی صورت میں فوجیوں کے حوالے کر دی گئی اور اکثر اوقات وزیراعظم اور وزیراعلیٰ اپنے سیاسی مقاصد کے لیے یا سیاسی رشوت کے طور پر اپنے چہیتوں کو نوازتے رہتے ہیں۔ پچھلے سال یہ ہوا کہ زرعی گریجویٹس کو سرکاری زمین الاٹ کی گئی ان کے نام لیٹر بھی جاری کئے گئے لیکن تاحال وہ زمین کے قبضے سے محروم ہیں۔

دوست محمد تھہیم (ملتان)

میری تجویز ہے کہ سابق جرنیلوں کو جو زمین انعام و اکرام میں دی گئی وہ ان سے فی الفور واپس لی جائے اور بے زمین کسانوں میں تقسیم کی جائے۔

نفیس انصاری ایڈووکیٹ سپریم کورٹ (ملتان)

میرے اپنے اندازے کے مطابق ہزار میں سے کوئی ایک آدمی ایسا ہوگا جسے پہلی زرعی اصلاحات کے نتیجے میں کچھ زمین ملی ہو۔ اس کے بعد زرعی اصلاحات کی دوسری کوشش بھٹو دور میں ہوئی اور اس کا نتیجہ بھی آپ کے سامنے ہے اور وہ بھی اس طرح ہوئی کہ ہمارے ملتان کے جاگیرداروں نے ایک انچ زمین بھی کسی مزارع کو نہ دی۔ اب جو اصلاحات ہوں اس میں یہ قدغن ضرور ہونی چاہیے کہ یہ جو بڑے بڑے گدی نشین ہیں انہوں نے مقبروں اور خانقاہوں کے نام جو زمین الاٹ کر رکھی ہوئی ہیں وہ بھی زرعی اصلاحات میں آنی چاہیے۔ ایوب خان کے دور میں یہ قانون تھا لیکن بھٹو دور میں انکو اصلاحات میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ کاشت کار جو زمین کا مالک ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ پیداوار پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اس ملک کو اقتصادی طور پر ترقی کے راستے پر ڈالنے کے لیے ضروری ہے کہ زرعی نظام کو تبدیل کیا جائے۔ زرعی اصلاحات سماج کی بہتری کے لیے بھی ضروری ہیں۔ ہمارے ہاں اونچ نیچ کا جو نظام ہے اس کی جڑیں ملک کے موجودہ زرعی نظام میں پیوست ہیں۔ جو زیادہ زرعی رقبہ کے مالک ہیں ان کو سماجی بالادستی حاصل ہے جس وجہ سے ملک میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔

آئی۔اے۔رحمٰن

سب سے پہلے زرعی نظام کو تبدیل کرنے کی وجوہات کو سامنے لائیں گے اور یہ ثابت کریں گے زرعی نظام کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے وگرنہ ملک میں جمہوریت قائم نہیں رہے گی۔ چونکہ بہت بڑی آبادی جو زرعی زمین پر منحصر ہے وہ آزاد نہیں ہے اور دیگر شہریوں کے برابر نہیں۔ وہ لوگ اپنی زندگی کے فیصلے خود نہیں کر سکتے۔ اس لیے ملک میں حقیقی جمہوریت کے لیے ضروری ہے کہ زرعی نظام کو تبدیل کیا جائے اور اسے از سر نو استوار کیا جائے۔ زمین کے بڑے بڑے قطعات پر 2% لوگ قابض ہیں جبکہ جو ان سے تعداد میں زیادہ ہیں ان کے حصے میں ایک بیگھہ بھی نہیں آتا اور دنیا بھر میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ کاشت کار جو زمین کا مالک ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ پیداوار پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اس ملک کو اقتصادی طور پر ترقی کے راستے پر ڈالنے کے لیے ضروری ہے کہ زرعی نظام کو تبدیل کیا جائے۔ زرعی اصلاحات سماج کی بہتری کے لیے بھی ضروری ہیں۔ ہمارے ہاں اونچ نیچ کا جو نظام ہے اس کی جڑیں ملک کے موجودہ زرعی نظام میں پیوست ہیں۔ جو زیادہ زرعی رقبہ کے مالک ہیں ان کو سماجی بالادستی حاصل ہے جس وجہ سے ملک میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ عوام کا برابری کا حق مارا جاتا ہے اور سماج میں اونچ نیچ کے نظام سے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اپنا جوہر تلاش نہیں کر سکتے۔ ان تینوں وجوہات کی بنام پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ملک کی خوشحالی اور ملک میں سیاسی نظام اور عوام کی اکثریت کے مفاد کے لیے ضروری ہے کہ زرعی نظام کو تبدیل کیا جائے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان تینوں مقاصد کے حصول کے لیے جو بے زمین کسان ہیں ان کے حقوق کا تحفظ سب سے پہلے کیا جائے۔ ہم اس طرح کسی کی مخالفت نہیں کر رہے اور نہ ہی کسی زمیندار کے خلاف بات کر رہے ہیں۔ ہم تو صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ جو 65% آبادی اس ملک میں زمین پر انحصار کرتی ہے جن میں اکثریت بے زمین کسانوں کی ہے۔ انہیں اقتصادی طور پر خودمختار بنانے کے لیے حقوق دلانے ضروری ہیں۔ اس مقصد کے لیے زرعی اصلاحات کی جائیں۔ پہلا اقدام یہ ہونا چاہیے کہ جو سرکاری زمین سرکار کے قبضے میں ہے اس کو فوراً کسانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ دوسری بات یہ کہ سرکاری زمین جو سیڈ فارم کے نام سے یا آرمی فارم کے نام سے جن کسانوں سے کاشت کرائی جا رہی ہے اس پر ان کی ملکیت تسلیم کی جائے۔ تیسری بات یہ کہ پچھلی زرعی اصلاحات میں جو حد ملکیت مقرر کی گئی تھی اس پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ شریعت کورٹ کی طرف سے پابندی عائد ہے اس کو کیسے دور کیا جائے۔ اس کام کے لیے مناسب حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ ایک مہم چلائی جائے۔ ہم سب لوگ اپنے اپنے علاقوں میں جا کر اپنے پارلیمانی نمائندوں پر زور دیں، ان کو خط لکھیں، ان سے ملاقات کریں اور کہیں کہ وہ پارلیمنٹ کے ذریعے آئین میں ایسی تبدیلی لے آئیں جو زرعی اصلاحات کی بندش کو دور کر سکے۔ اگر آپ سب اس سے اتفاق کرتے ہیں تو آج سے اس پر عمل کرنا شروع کر دیں اور پنے اپنے ممبروں کو لکھیں اور پارلیمنٹ کو بھی لکھیں سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کو بھی لکھیں کہ اس مسئلہ پر آئین سازی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سب لوگ اپنی اپنی تنظیموں کی طرف سے سپریم کورٹ آف پاکستان سے بھی مطالبہ کریں کہ جو مقدمہ 3 سال سے عدالت میں زیرالتوا ہے اس کا فی الفور فیصلہ کیا جائے کیونکہ یہ فیصلہ نہ ہونے کی وجہ سے عوام کے معاشی مسائل بڑھتے جا رہے ہیں۔

اسحاق سومرو (کراچی)

ماضی میں جو زرعی پالیساں متعارف ہوئیں میرے خیال میں ان پر ہمیں نظر دوڑانی چاہیے اور اپنی طرف سے متبادل

پالیسیاں بنانی چاہئیں۔ میرے تجربے کے مطابق لوگوں کو آگاہی نہیں ہوتی۔ زرعی پالیسوں کے متعلق اخبارات میں مضامین لکھے جائیں اور ٹھوس تجاویز دی جائیں۔ جو مقدمہ سپریم کورٹ میں زیرالتوا پڑا ہے اس کے متعلق سپریم کورٹ کو خطوط لکھنے چاہئیں تاکہ اس کا جلد فیصلہ ہو سکے۔ ہمیں اپنے نقطہ نظر کو واضح کرنا چاہیے کہ ہم زرعی اصلاحات کیوں چاہتے ہیں۔

صالح بلو (نواب شاہ سندھ)

ہمیں ایک ایسی ٹاسک فوس بنانی چاہیے جس کا ہر صوبے میں نمائندہ ہو۔ ٹاسک فوس کی یہ ذمہ داری ہونی چاہیے کہ وہ دیکھے کہ زرعی اصلاحات میں کون سی سفارشات ضروری ہیں اور ان پر کس طرح سے قانون سازی ہونی چاہیے اور اس قانون پر عمل درآمد کس طرح کروانا چاہیے۔ اور نچلی سطح پر لوگوں کو آگاہ کرتے رہنا چاہیے۔

رادھا بیل (سندھ)

کھیت مزدوروں کے لیے موثر پالیسیاں بنانے کے لیے ضروری ہے کہ کھیت مزدوروں کو بھی اپنی تحریک میں شامل کریں۔ جیسا کہ ابھی آپ نے بتایا ہے کہ کھیت مزدور بھی اپنی یونین بنا سکتا ہے۔ مجھے خود اس بات کا آج پتہ چلا ہے لیکن بات پھر وہی آجاتی ہے کہ شعور اور آگاہی کی ضرورت ہے۔ ہمیں اب شور مچانا ہوگا۔ پارلیمان اور نمائندگان کو خطوط لکھنے ہونگے کہ کھیت مزدور کیلیے قانون سازی کی جائے اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔

نصیر احمد (حیدرآباد)

میری ایک تجویز ہے کہ ہمارے دوستوں کا ایک گروپ ہونا چاہیے جو بجٹ کی تیاری کے وقت جائزہ لے کہ اس بجٹ میں کسانوں اور کھیت مزدوروں کے لیے کیا رکھا گیا ہے اور اپنی تجاویز قومی اخبارات میں مضامین یا آرٹیکلز کی صورت میں دی جائیں اور جب بجٹ منظور ہو جائے تو اس کی خوبیوں اور خامیوں پر مضامین لکھے جائیں۔

علی احمد بلوچ (بلوچستان)

اس مقصد کے لیے سب سے پہلے کسان کو زرعی اصلاحات کے متعلق بتانا ہوگا اور انہیں منظم کرنا ہوگا۔ اس کے لیے ہمیں HRCP کی معاونت کی ضرورت ہے۔ جب بلوچستان میں ہم آگاہی مہم چلائیں گے تو اس کے نتائج ہمارے لئے کیا ہونگے وہ ہم جانتے ہیں کیونکہ قبائلی علاقہ ہے۔ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس کام کے لیے ہمیں HRCP کی معانت کی ضرورت ہے۔ ہم بلوچستان سے 4 لوگ اس کنونشن میں آئے ہیں جن میں خواتین بھی شامل ہیں یہ ایک اچھی پیش رفت ہے۔ اور ہم نے یہاں بڑی مفید باتیں سنیں ہیں۔

بازمحمد (بلوچستان)

نصیرآباد میں ایک ہزار کسانوں نے پانی کی کمی کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ پانی کی غیر منصفانہ تقسیم سے قبائلی جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ ان ایک ہزار کسانوں میں سول سوسائٹی کے لوگ بھی تھے اس کام میں بھی ہم نے ایچ آر سی پی سے تعاون کی درخواست کی تھی اور دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں اس طرح کی آگاہی مہم یونین کونسل کی سطح پر چلانی چاہیے۔

عاصمہ خان (ایڈووکیٹ ملتان)

قانون سازی کے حوالے سے بات ہو رہی ہے تو اس سلسلے میں میری تجویز یہ ہے کہ اس بات پر بھی چیک اینڈ بیلنس ہونا چاہیے کہ بڑے جاگیرداروں کی زمین کی ملکیت ہر سال 2 سال بعد بڑھ جاتی ہے۔ یہ دیکھا جائے کہ اس اضافے کے اسباب

بہاولپور سے گزرنے والا دریا عرصہ دراز سے خشک پڑا ہے حکومت یہاں چھوٹے چھوٹے تلاب بنائے تاکہ پانی کو جمع کر کے کسانوں میں تقسیم کیا جائے اور چولستان سمیت بہاولپور کی سرکاری زمین مقامی بے زمین کسانوں اور کھیت مزدوروں میں **15** ایکٹر فی خاندان کے لحاظ سے تقسیم کی جائے۔ چولستان کی **5** لاکھ ایکڑ جو شکارگاہ کے لیے مختص ہے اس کو بھی غریب اور بے زمین کسانوں کے نام رجسٹر کیا جائے۔

کیا ہیں اور کسانوں کی زمین کم کیوں ہو جاتی ہے۔

رحیم بخش (سکھر)

کسان تنظیموں کی اب ذمہ داری بڑھ گئی ہے اور ان کو اب ایک ہونا ہوگا اور HRCP جو تجاویز لے رہی ہیں اس کے مسودے کی کاپیاں سب کو دی جائیں اور سپریم کورٹ کو اور قومی وصوبائی اسمبلیوں کو بھیجیں۔ اس سے حکمرانوں پر دباؤ میں اضافہ ہوگا اور وہ بجٹ اور قانون سازی کے وقت شاید ان تجاویز پر غور کریں۔

انعام خان (رحیم یار خان)

پالیساں بنی ہوئی ہیں۔ قوانین موجود ہیں۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ تعلیم کی کمی یا کسی اور وجہ سے ہمیں آگاہی نہیں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آگاہی مہم چلائی جائے تاکہ کھیت مزدور اور کسان کو اس کے حقوق کا علم ہو سکے۔ ایچ آر سی پی ایک پمفلٹ تیار کرے جسے ہم اپنے اپنے علاقوں میں تقسیم کریں گے تاکہ کسانوں کو علم ہو سکے کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

خواجہ اسد (بہاولپور)

ضلع بہاولپور کا رقبہ 24830 کلومیٹر پر محیط ہے جس میں 6 6 لاکھ ایکڑ پر مشتمل چولستان کا رقبہ ہے۔ زرعی اصلاحات کے نام پر چولستان کی زمینوں کی بندر بانٹ کی جاتی رہی۔ کبھی انعام کے طور پر آرمی کے ریٹائرڈ آفیسروں کو اور کبھی دوسرے اضلاع کے رہنے والوں کو سیاسی رشوت کے طور پر تقسیم کی گئی ہیں۔

بہاولپور سے گزرنے والا دریا عرصہ دراز سے خشک پڑا ہے حکومت یہاں چھوٹے چھوٹے تلاب بنائے تاکہ پانی کو جمع کر کے کسانوں میں تقسیم کیا جائے اور چولستان سمیت بہاولپور کی سرکاری زمین مقامی بے زمین کسانوں اور کھیت مزدوروں میں 15 ایکٹر فی خاندان کے لحاظ سے تقسیم کی جائے۔ چولستان کی 5 لاکھ ایکڑ جو شکارگاہ کے لیے مختص ہے اس کو بھی غریب اور بے زمین کسانوں کے نام رجسٹر کیا جائے۔

محبوب احمد خان (ایچ آر سی پی)

آج کا سیشن ختم کرتے ہیں۔ باقی بات چیت کل دوسرے سیشن میں کریں گے۔ ہمیں کل 3 بجے تک اپنی بحث مکمل کرنی ہوگی۔ جیسے آئی اے رحمٰن صاحب نے کہا کہ کیس تیار کرنا ہے تو کل ہم 3 بجے تک اپنا کیس مکمل کریں گے۔ شکریہ۔

دوسرا دن:

آئی۔اے۔رحمٰن

شرکاء کی طرف سے کل جو تجاویز آئی تھیں میں فیصل صاحب سے کہوں گا کہ وہ آپ کو پڑھ کر سنائیں تاکہ آپ دیکھ لیں کہ کوئی بات رہ تو نہیں گئی۔

فیصل تنگوانی (ریجنل کوآرڈینٹر **HRCP** ملتان)

کنونشن میں شرکاء کی طرف سے درج ذیل تجاویز آئی ہیں۔

1۔ کسانوں کی مضبوط تنظیم سازی کی جائے۔
2۔ سرکاری زمین بے زمین کسانوں میں تقسیم کی جائے۔
3۔ کھیت مزدور عورتوں کو مردوں کے برابر سرکاری زمین دی جائے۔
4۔ فی خاندان 15 ایکڑ زمین دی جائے۔
5۔ 1977 کے قانون میں ترمیم کی جائے۔
6۔ زرعی اصلاحات کے لیے ملکی سطح پر تحریک کا آغاز کیا جائے۔

7۔ ILO کے توثیق شدہ کنونشن پر قانون سازی کی جائے۔

8۔ کھیت مزدوروں کو یونین سازی اور مساوی اجرت کا حق دیا جائے۔

9۔ یونین کونسل سطح پر کھیت مزدوروں کے حقوق کے متعلق آگاہی مہم چلائی جائے۔

10۔ کھیت مزدور کے بچوں کو پرائمری سے اعلیٰ تعلیم مفت دی جائے۔

11۔ کھیت مزدور خواتین کے لیے ووکیشنل ٹریننگ سنٹر بنائے جائیں اور انہیں خصوصاً لائیو اسٹاک کے حوالے سے تربیت دی جائے۔

12۔ کھیت مزدور عورتوں اور ان کے بچوں کو مفت طبی سہولیات فراہم کی جائیں۔

13۔ کھیت مزدور کے مسائل پر سیمنار کرائے جائیں۔ یونین کونسل سطح پر آگاہی مہم چلائی جائے۔

14۔ جن کاشتکاروں کی زمینیں دریا برد ہوگئی ہیں انہیں متبادل رقبہ الاٹ کیا جائے۔

15۔ پاکستان بننے کے بعد زرعی زمینوں کی جعلی الاٹ منٹ پر عدالتی کمیشن بنایا جائے اور تحقیقات کی جائے اور قدیم آبادکار لوگوں کو ان کا حق واپس دیا جائے۔

16۔ سیلاب زدہ اور جنگ زدہ اور بارڈر ایریا پر رہنے والے کھیت مزدور کے اقتصادی تحفظ کا بندوبست کیا جائے۔

17۔ قدرتی آفات کی صورت میں امداد کی منصفانہ تقسیم کے عمل کو شفاف بنایا جائے۔

18۔ کھیت سے منڈی تک پختہ سڑک اور ٹرانسپورٹ کی فراہمی ضروری ہو۔

19۔ فصلات کی بیمہ سازی کی جائے۔

20۔ مہنگائی کے تناسب سے فصل کے ریٹ مقرر ہونے چاہییں۔

21۔ کسانوں کے مسائل حل کرنے کے لیے عدلیہ کے مخصوص ٹریبونل قائم کیے جائیں اور کھیت مزدوروں کے صنعتی مزدوروں کے مساوی حقوق تسلیم کیے جائیں۔

22۔ کم اراضی رکھنے والے مالکان کو قرضوں کی سہولت اور اراضی کاشت کرنے کے لیے درکار تمام سہولیات فراہم کی جائیں۔

23۔ سندھ اور بلوچستان میں جاگیرداروں کے قبضہ کرنے کی کاروائیوں کی روک تھام کی جائے۔

24۔ زرعی زمینوں اور رہائشی اراضی کی منصفانہ تقسیم کی جائے۔

آئی۔اے۔رحمٰن

اس میں دو تین چیزیں رہ گئی تھی۔ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ہمارے ساتھیوں نے کہا اور میں بھی سمجھتا ہوں اچھا ہے کہ جو اراضی کاشتکاری مقاصد کے لیے استعمال کی جاتی ہے اس پر رہائشی کالونیاں بنائی جا رہی ہیں۔ اس حوالے سے کوئی قانون ہونا چاہیے۔ جس طرح سے ہم اپنی زرعی زمینیں ختم کر رہے وہ اچھا نہیں ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ زرعی زمین کو جب رہائشی کالونی یا فیکٹری کے

جو اراضی کاشتکاری مقاصد کے لیے استعمال کی جاتی ہے اس پر رہائشی کالونیاں بنائی جا رہی ہیں۔ اس حوالے سے کوئی قانون ہونا چاہیے۔ جس طرح سے ہم اپنی زرعی زمینیں ختم کر رہے وہ اچھا نہیں ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ زرعی زمین کو جب رہائشی کالونی یا فیکٹری کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو مالک زمین کو تو معاوضہ مل جاتا ہے اس کے برعکس کھیت مزدور بے روزگار ہو جاتا ہے۔ اس کو کچھ نہیں ملتا۔

لیے استعمال کیا جاتا ہے تو مالک زمین کو تو معاوضہ مل جاتا ہے اس کے برعکس کھیت مزدور ہو بے روزگار ہو جاتا ہے۔ اس کو کچھ نہیں ملتا۔

دوسری تجویز جو کل زیر بحث نہیں آئی تھی وہ یہ ہے کہ ہر صوبے میں سرکاری ادارے بنائیں جائیں جو کسانوں کو زرعی آلات، ٹریکٹر اور کھاد بیج سستے داموں مہیا کریں۔ اور تیسری بات جو اہم ہے وہ یہ ہے کہ سندھ میں کے ہاریوں کو رہائش کا مسئلہ درپیش ہے۔ عام طور پر ان بے چاروں نے جھونپڑیوں میں رہائش رکھی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر ان کی رہائشی کالونیاں بنا دی جائیں یا ان کو رہائش کے لیے 2 ایکڑ زمین دے دی جائے تو ان کی رہائش کا مسئلہ حل ہو جائیگا۔

اسحاق سومرو (کراچی)

جس طرح سندھ میں سرکاری زمینیں عورتوں میں تقسیم کی گئی ہیں پورے ملک میں ایسا کیا جائے۔ عورتوں میں سرکاری زمین تقسیم کی جائیں تو یہ بہتر اقدام ہوگا اور الاٹمنٹ کے وقت انہیں قبضہ بھی دیا جائے۔

ایوب لغاری (شکارپور سندھ)

میری تجویز یہ ہے کہ فی خاندان 15 ایکڑ زمین دی جائے اور سندھ میں ایسے علاقے بھی ہیں جہاں 100 ایکڑ کا مالک 10 یا 15 ایکڑ بڑی مشکل سے آباد کر سکتا ہے۔ اس لیے علاقے کی صورتحال دیکھ کر اراضی تقسیم کی جائے۔ پنجاب میں اگر 15 ایکڑ دی جائے تو اس کے برعکس سندھ میں زیادہ دی جائے کیونکہ وہاں پانی کی کمی ہے۔

آئی۔اے۔رحمٰن

نہری پانی والی زمین 15 ایکڑ گزارہ یونٹ دیا جائے۔ اسی لیے تو زرعی اصلاح میں یونٹ سسٹم تھے جو خراب زمین تھی وہ زیادہ ملتی تھی اچھی زمین تھوڑی ملتی تھی۔ ایک اور تجویز بھی میرے ذہن میں آئی ہے اگر آپ اس سے اتفاق کریں یہ جو لوکل باڈی میں کسانوں کے نمائندے ہوتے ہیں حقیقت میں وہ کسانوں کے نمائندے نہیں ہوتے۔ اس مسئلہ کا کیا حل سوچا جائے؟

صالح بلو (حیدرآباد)

میرے خیال میں کسان کمیٹی اس کی تصدیق کرے کہ کیا یہ نمائندہ کسان ہے یا نہیں۔ ریونیو ریکارڈ کی بنیاد پر اس کا ڈیکلریشن ہونا چاہیے اور کسان ہو تو کم از کم چھوٹا کسان ہونا چاہیے۔

ملک دوست محمد تھہیم (ملتان)

پورے ملک میں سے جنوبی پنجاب کو ہر لحاظ سے پس ماندہ رکھا گیا ہے۔ اپر پنجاب سے جنوبی پنجاب کی نہریں بند کر دی جاتی ہیں۔ میری تجویز ہے کہ پانی کی منصفانہ تقسیم کا نظام رائج ہونا چاہیے کیونکہ پانی فصل کے لیے بنیادی چیز ہے۔

شکیلہ بی بی (خانیوال)

میری گزارش ہے کہ کسانوں کو کھاد بیج صحیح وقت پر اور مناسب قیمت پر ریاست مہیا کرے تاکہ چھوٹے کسان سود اور غیر معیاری اشیا سے بچ سکیں۔ اسی طرح کسان اور ہاری خواتین میں شعور اور مہارتیں پیدا کرنے کے لیے ادارے بنائیں جائیں تاکہ وہاں سے وہ فنی تعلیم حاصل کر سکیں۔

عبدالمجید چھینہ (لیہ)

زرعی اصلاحات کے لیے ملکی سطح پر ایک تنظیم کی ضرورت ہے اور پارلیمنٹ کے ممبران پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ زرعی اصلاحات کے بارے میں واضح موقف اختیار کریں اور سیاسی پارٹیوں پر زور دیا جائے کہ وہ زرعی پالیسی کو اپنے منشور کا حصہ بنائیں۔ جو بھی سیاسی پارٹی زرعی پالیسی کو اپنے منشور کا حصہ نہیں بناتی اس کو ووٹ نہ دیے جائیں۔ جہاں تک زرعی اصلاحات میں ترامیم کی بات ہے تو وہ ضرور ہونی چاہئیں۔ میرے خیال میں الاٹ منٹ افراد کی بجائے خاندان کو ہونی چاہیے۔ زرعی پالیساں کسان دوست ہونی چاہییں۔

امجد سعید (رحیم یار خان)

جناب آئی اے رحمان صاحب! ایچ آر سی پی کے کارکن

پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ای ڈی او کمیونٹی کی میٹنگ میں شامل ہوا کرے اور زرعی اصلاحات کے سلسلے میں اپنے مشورے دیا کرے اور میں کہتا ہوں کہ دستخطی مہم چلائی جائے اور پھر وہ دستخطی پٹیشن سپریم کورٹ کو بھجوائی جائے تاکہ زیرالتوا مقدمہ کا فیصلہ ہو سکے۔

رادھا بیل (سندھ)

میں اس حوالے سے اپنی رائے دینا چاہتی ہوں کیونکہ میں ہاری کی بیٹی ہوں اور ہاری کے مسائل سمجھتی ہوں۔ جب سیلاب آتا ہے اور پانی سے فصل بھر جاتی ہے تو زمیندار کھیت مزدور خواتین سے کھیت سے پانی نکالنے کو کہتا ہے۔ اس وقت گرمی شدید ہوتی ہے جس کی وجہ سے کھیت مزدوروں خواتین اور ان کے بچوں کو کئی جلدی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں اور پھر جب فصل پر سپرے کا وقت آتا ہے تو خواتین بھی سپرے کرتی ہیں لیکن ان کو اجرت نہیں دی جاتی۔ میری پہلی تجویز تو یہ کہ اجرت مقرر ہونی چاہیے اور دوسرا ہاری کالونیاں ہونی چاہیں تیسرا اہم نکتہ جو اس فورم پر اٹھانا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ تھر سے نکلنے والے کوئلہ میں ہاریوں کو بھی حصہ ملنا چاہیے اور زمینداروں کو پابند کیا جائے کہ وہ غیر قانونی طریقوں سے ہاریوں کی خواتین اور بچوں سے مشقت نہ لیں۔

> دوسری زرعی اصلاحات **1959**ء میں جنرل ایوب خان نے اپنے دور حکمرانی میں کیں جب ملک میں مارشل لا نافذ تھا۔ تمام سیاسی جماعتوں پر پابندی عائد تھی۔ ملک کے ترقی پسند کارکن جیلوں میں قید تھے۔ زرعی اصلاحات پر عمل درآمد کی ذمہ داری بیور کریسی کی تھی جو جاگیرداروں، وڈیروں اور قبائلی سرداروں کی پروردہ تھی۔ ان اصلاحات سے **21** لاکھ ایکٹر رقبہ حاصل کیا جانا تھا۔ جو حاصل ہوا وہ لگ بھگ **19** لاکھ ایکٹر تھا۔ اس میں سے قابل کاشت صرف **5** لاکھ **5** ہزار ایکٹر تھا باقی تمام رقبہ دریا برد، پتھریلا اور بنجر تھا۔

اسحاق سومرو

تھر کا جو بنیادی مسئلہ ہے وہ پانی کی قلت کا ہے کیونکہ وہاں پانی کی شدید قلت ہے جس کی وجہ سے لوگ نقل مکانی کرتے ہیں۔ وہ بھوک کی وجہ سے نقل مکانی نہیں کرتے بلکہ پانی کی کمی کی وجہ سے کرتے ہیں۔ یہ بچوں کی جو اموات ہوئی ان کی کوئی اور وجہ ہو سکتی ہے بھوک اور افلاس بالکل نہیں ہے۔ اور تھر میں ایک سروے کے مطابق 60 لاکھ مویشی ہیں۔

غلام علی

تھر میں اصل میں ہوتا یہ ہے کہ 14 اگست تک حکومت کی طرف سے وہاں کے لوگوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ بارش ہو گی یا نہیں۔ اگر بارشیں نہ ہو تو وہاں کے لوگ نقل مکانی کرتے ہیں ورنہ نہیں کرتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اگست میں نقل مکانی کریں گے تو مارچ میں واپس آجاتے ہیں۔ ان کا زیادہ تر ذریعہ معاش مال مویشیوں سے منسلک ہے۔

رادھا بیل

میں تھر کی رہائشی ہوں۔ تھر میں کوئلہ، ماربل اور گیس نکل رہی ہے اور بہت ساری سہولیات بھی تھر میں لوگوں کو میسر ہیں۔ البتہ تھر میں جب لوگ عارضی طور پر نقل مکانی کرتے ہیں جن کی زیادہ تر تعداد غیر مسلم پر مشتمل ہوتی تو جب وہ واپس آتے ہیں تو ان کی زمینوں پر قبضہ ہو چکا ہوتا ہے۔ مسلمان مسجدیں بنا لیتے مدرسے بنا لیتے یا علم لگا دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ تھر میں ایک جگہ ہے گاڑچر۔ یہ ایک سرکاری زمین ہے وہاں ہم لوگ مویشی چراتے ہیں لیکن اب وہاں پر بھی قبضے ہو رہے ہیں۔ اقلیتوں کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک ناروا ہے۔

ایوب لغاری

آج تھر میں جتنی اچھی سڑکیں ہیں وہ ملک کی کسی اور جگہ نہیں ہیں۔ متعدد ہسپتال بن گئے ہیں اور امداد کے نام پر اربوں روپے تھر کو دیے جا چکے ہیں۔ تھر میں اکثریتی آبادی ہندو ہیں۔ مویشیوں کی چوری کے واقعات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ وہاں ہندو مسلم کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

آئی۔اے۔رحمٰن

جیسا میں نے آپ کو پہلے بتایا تھا کہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ چوہدری فتح محمد صاحب تشریف لا چکے ہیں اور چوہدری صاحب کسان تحریک کے روح رواں ہیں۔ آج وہ ہماری درخواست پر ٹوبہ ٹیک سنگھ سے تشریف لائے ہیں۔ ابھی ہم ان کی گفتگو سے مستفید ہوتے ہیں۔

پاکستان کے زرعی مسائل کا حل

چوہدری فتح محمد (ٹوبہ ٹیک سنگھ)

پاکستان میں اب تک تین دفعہ نام نہاد زرعی اصلاحات ہو چکی ہیں جو جاگیردارانہ معیشت میں کسی قسم کی بنیادی تبدیلی کا باعث نہ بن سکیں۔ یہ زرعی اصلاحات چھٹی، ساتویں/آٹھویں دہائی میں نافذ کی گئیں جو مختصراً یہ ہیں۔

قیام پاکستان کے وقت ملک کی معیشت کلی طور پر زرعی تھی اور ملک خوراک اور دوسری زرعی اجناس میں خود کفیل تھا۔ ملک میں ریلوے، دو ایک ٹیکسٹائل ملز اور سیمنٹ کا ایک آدھ کارخانہ تھا۔ اس لیے ملک میں زیادہ تر دو ہی طبقات مالک زمین اور مزارعہ تھے یا پھر چھوٹے مالک۔ کسانوں اور متوسط طبقہ کے زمینداروں کی تعداد گنتی کی تھی۔ جاگیردار مزارعین اور ہاریوں سے بٹائی کے علاوہ بگار بھی لیتے تھے۔ مزارعوں اور ہاریوں کی بیدخلی کے خلاف کوئی قانون نہ تھا۔ مالک جب چاہے اپنے مالک کو بے دخل کر سکتا تھا۔ پنجاب میں انتخاب کے نتیجے میں میاں ممتاز دولتانہ کی قیادت میں وزارت قائم ہوئی جس نے 1953ء میں زرعی اصلاحات کا اعلان کیا۔ یہ پاکستان میں پہلی زرعی اصلاحات تھیں جن کے مطابق؛

1۔ موروثی مزارعین دفعہ نمبر 5 کو بلا معاوضہ مالک قرار دیا گیا۔

2۔ موروثی مزارعین دفعہ نمبر 6 نصف حصہ کی قیمت ادا کر کے مالک ہو سکتے ہیں۔

3۔ موروثیت کا آئندہ کے لیے حق ختم کر دیا گیا۔

4۔ حصہ بٹائی 5/2 مقرر کر دیا گیا۔ مالیہ بذمہ مالک، بیج اور دیگر اخراجات بذمہ مزارعہ ہوں گے۔

5۔ مزارعہ کی تحریک میں حصہ لینے پر پابندی ختم کر دی گئی۔ ان اصلاحات میں مزارعہ کا حصہ 5/2 مقرر کر دیا گیا۔

ان اصلاحات پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ کسان تنظیموں کا کمزور ہونا تھی۔

دوسری زرعی اصلاحات

دوسری زرعی اصلاحات 1959ء میں جنرل ایوب خان نے اپنے دور حکمرانی میں کیں جب ملک میں مارشل لا نافذ تھا۔ تمام سیاسی جماعتوں پر پابندی عائد تھی۔ ملک کے ترقی پسند کارکن جیلوں میں قید تھے۔ زرعی اصلاحات پر عمل درآمد کی ذمہ داری بیور کریسی کی تھی جو جاگیرداروں،

> تھر میں کوئلہ، ماربل اور گیس نکل رہی ہے اور تھر میں لوگوں کو بہت سی سہولیات بھی میسر ہیں۔ البتہ تھر میں جب لوگ عارضی طور پر نقل مکانی کرتے ہیں جن کی زیادہ تر تعداد غیر مسلموں پر مشتمل ہوتی تو جب وہ واپس آتے ہیں تو ان کی زمینوں پر قبضہ ہو چکا ہوتا ہے۔ مسلمان اُن کی زمین پر مسجدیں، مدرسے بنا لیتے یا علم لگا دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ تھر میں ایک جگہ ہے گاڑچر۔ یہ ایک سرکاری زمین ہے وہاں ہم لوگ مویشی چراتے ہیں لیکن اب وہاں پر بھی قبضے ہو رہے ہیں۔ اقلیتوں کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک ناروا ہے۔

وڈیروں اور قبائل سرداروں کی پروردہ تھی۔ان اصلاحات سے 21 لاکھ ایکٹر رقبہ حاصل کیا جانا تھا۔ جو حاصل ہوا وہ لگ بھگ 19 لاکھ ایکٹر تھا۔ اس میں سے قابل کاشت صرف 5 لاکھ 5 ہزار ایکٹر تھا باقی تمام رقبہ دریا برد، پتھریلا اور بنجر تھا۔

یہ رقبہ 8 روپے فی یونٹ معاوضہ پر حاصل کیا گیا۔ رقم مالکان کو حکومت نے اپنے خزانے سے نقد ادا کی اور حکومت نے جن مزارعین کو زمین الاٹ کی ان سے اقساط بمعہ سود وصول کرنا قرار پایا۔ ان زرعی اصلاحات میں حد ملکیت فی کس 36000 یونٹس یا 500 ایکٹر فی کس مقرر کی گئی تھی۔ 18000 یونٹس یا 250 ایکٹر عزیز و اقارب کو عطیہ کرنے کی اجازت تھی۔ اس کے علاوہ شکار گاہیں اور چراگاہیں رکھنے کی اجازت تھی۔ ایک وڈیرے کو بطور شکار گاہ 1,23,000 ایکڑ رکھنے کی اجازت دی گئی تھی۔ ان زرعی اصلاحات سے جاگیردارانہ نظام پر کوئی فرق نہ پڑا۔

تیسری زرعی اصلاحات

پی پی پی حکومت کی ان زرعی اصلاحات کے مطابق حد ملکیت فی کس 12000 یونٹس یا 250 ایکڑ فی کس مقرر کی گئی تھی اس کے علاوہ ٹیوب ویل یا ٹریکٹر رکھنے کی صورت میں مزید 2000 یونٹس رکھنے کی اجازت تھی۔ عزیز و اقارب کے نام عطیہ کے طور پر بھی اراضی کی جاسکتی تھی۔ ان زرعی اصلاحات سے 28 لاکھ ایکڑ زمین حاصل ہونا تھی مگر صرف 8 لاکھ ایکڑ اراضی حاصل ہوسکی۔ جو حقیقت میں تقسیم ہوئی وہ بہت ہی کم تھی۔ ان نام نہاد اور نا کام و نامکمل زرعی اصلاحات سے جاگیردارانہ نظام کی بنیاد جو انگریز سامراج نے اپنے مفادات کے لیے قائم کی تھی ویسے ہی قائم ہے۔ ان آٹھ عشروں سے زائد عرصہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔

ایوب خاں مارشل لاء کے دور میں سندھ کے براجوں کی تعمیر کے بعد لاکھوں ایکڑ سرکاری زمین فوجی جرنیلوں، افسروں اور سول بیوروکریسی کو الاٹ کی گئی اور پنجاب میں بھی زرعی زمین فوجی جرنیلوں میں تقسیم ہوئی۔ اس کے علاوہ کچھ افسروں کو گھوڑی پال سکیم کے تحت بھی زمین دی گئی۔ پنجاب میں فوجی انتظام میں جو سرکاری زمین دی گئی ہے اس کی تفصیل موجودہ پنجاب اسمبلی کے اجلاس مورخہ 4 فروری 2010ء میں ایک رپورٹ کی شکل میں پیش کی گئی۔ وہ رپورٹ 5 فروری 2010ء کو روزنامہ جنگ میں شائع ہوئی ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

صوبہ پنجاب میں فوج کے زیر انتظام رقبہ 50,127 ایکڑ ہے۔ اس میں سے 12,119 ایکڑ رقبہ وفاقی حکومت کی ملکیت میں ہے اور باقی زمین حکومت پنجاب کی ملکیت میں ہے۔ جو زمین فوجی ضروریات کے لیے استعمال ہو رہی ہے اس میں ملٹری فارم اکاوڑہ 17,013 ایکڑ، رینالہ اسٹیٹ اوکاڑہ 1 1 5 , 3 ایکڑ ملٹری فارم بھنگالی (لاہور) 1 4 3 , 4 ایکڑ، آرمی سٹڈ فارم پر وبن آباد 10,433 ایکڑ، آرمی فارم پاکپتن 5,022 ایکڑ شامل ہیں۔ یہ تمام سرکاری اراضی جو فوجی جرنیلوں، افسروں اور سول بیوروکریسی کو الاٹ ہے۔ ان میں سے کئی ایک نے فروخت بھی کر دی ہے۔ باقی تمام جرنیل اور سول بیوروکریسی کے افسران مالکان بمعہ گھوڑی پال سکیم کے موقع پر رہ کر کاشت میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ ان کی زمینیں ٹھیکے پر ہیں اور بعض کی مزارعین کے پاس ہیں۔ جو ان کے ذاتی کام بھی کرتے ہیں اور کچھ حصہ مزارعین مفت میں بگار کے طور پر کاشت کرتے ہیں اور اس کا تمام حصہ اور باقی بٹائی کا حصہ مالک کو ادا کرتے ہیں۔ یہ مالکان شہروں میں رہائش رکھتے ہیں۔ یہ تمام رقبہ جات ضبط کئے جانے کی ضرورت ہے اور یہ زمینیں مقامی مزارعوں میں تقسیم کی جانی ضروری ہے تاکہ ملکی پیداوار میں اضافہ ہو اور بے روزگاری کے خاتمے میں مدد مل سکے۔

یہ سب اس وقت ہو رہا ہے جب ملک کی 66.58 فیصد آبادی دیہاتوں میں کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ ان کے لیے نہ تو تعلیم کا خاطر خواہ انتظام ہے اور نہ ہی صحت اور صاف پانی کا بندوبست ہے۔ اس آبادی کا انحصار بلواسطہ یا بلاواسطہ زراعت پر ہی ہے۔ اس آبادی کے چھوٹی ملکیت کے کاشتکاروں کی 86 فیصد آبادی گزارہ یونٹ سے کم یعنی 12.5 ایکڑ نہری سے کم کی مالک ہے۔ اور اس کے پاس کل ملکیتی زمین کا صرف 44 فیصد ہے۔ 12.5 ایکڑ سے لے کر 25 ایکڑ تک کے مالکان کی تعداد 9 فیصد ہے۔ جن کے پاس کل رقبہ کا 19 فیصد ہے جبکہ 25 ایکڑ سے زیادہ مالکان کی تعداد 5 فیصد اور ان کے علاوہ ملک میں 9,26,562 خاندان مزارعین کے ہیں جن کے پاس کوئی زمین نہیں ہے۔ وہ صرف مزارعت پر زمینداروں سے رقبہ حاصل کر کے گزر بسر کرتے ہیں۔

یہ سب اس وقت ہو رہا ہے جب ملک کی 66.58 فیصد آبادی دیہاتوں میں کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ ان کے لیے نہ تو تعلیم کا خاطر خواہ انتظام ہے اور نہ ہی صحت اور صاف پانی کا بندوبست ہے۔ اس آبادی کا انحصار بلواسطہ یا بلاواسطہ زراعت پر ہی ہے۔ اس آبادی کے چھوٹی ملکیت کے کاشتکاروں کی 86 فیصد آبادی گزارہ یونٹ سے کم یعنی 12.5 ایکڑ نہری سے کم کی مالک ہے۔ اور اس کے پاس کل ملکیتی زمین کا صرف 44 فیصد ہے۔ 12.5 ایکڑ سے لے کر 25 ایکڑ تک کے مالکان کی تعداد 9 فیصد ہے۔ جن کے پاس کل رقبہ کا 19 فیصد ہے جبکہ 25 ایکڑ سے زیادہ مالکان کی تعداد 5 فیصد اور ان کے علاوہ ملک میں 9,26,562 خاندان مزارعین کے ہیں جن کے پاس کوئی زمین نہیں ہے۔ وہ صرف مزارعت پر زمینداروں سے رقبہ حاصل کر کے گزر بسر کرتے ہیں۔

ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے حکمران طبقات زرعی شعبے میں کوئی مثبت تبدیلی لانے خواشمند نہیں ہیں بلکہ وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت دیہی آبادی کو تعلیم سے محروم اور معاشی طور پر کسمپرسی کی حالت میں رکھنا چاہتے ہیں تاکہ ان کی حکمرانی قائم رہے اور سماجی تبدیلی کی کوئی راہ ہموار نہ ہو سکے۔

آئی۔اے۔رحمٰن

شکریہ چوہدری صاحب: چوہدری صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جو ہر وقت جہدوجہد کرتے رہتے ہیں۔

یہاں اب تک جو فیصلے ہوئے وہ درج ذیل ہیں؛

1۔ 17 اپریل کو یوم کسان منایا جائے گا
2۔ کھیت مزدوروں کو یونین سازی کی کوشش کی جائے گی۔
3۔ کھیت مزدوروں مناسب اجرت دلوانے کی کوشش کی جائے گی۔
4۔ کسان تنظیموں کو مضبوط کیا جائے۔
7۔ سماجی تفاوت کو دور کرنے کے لیے زرعی اصلاحات ضروری ہیں۔
8۔ سرکاری زمین جو ابھی تک حکومت کے قبضے میں ہے وہ کسانوں کو دی جائے اور عورتوں کو بھی اس میں سے مناسب حصہ دیا جائے۔
9۔ مزارعین کے زیر قبضہ سرکاری زمین پر انہیں فی الفور مالکانہ حقوق دیئے جائے۔
10۔ وفاقی شریعت عدالت کے فیصلے کو کالعدم قرار دینے کے لیے مہم چلائی جائے گی۔
12۔ تھر کے مسائل پر کانفرنس منعقد کی جائے گی۔

ایک بار پھر آپ سب لوگوں کا نہایت شکریہ کہ آپ وقت نکال کر آئے اور کسانوں کے مسائل پر گفتگو کی۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سلسلے کو جاری رکھا جائے۔

(فیصل محمود، ایچ آر سی پی ملتان)

جنسی تشدد کے بعد زندہ جلایا گیا

گھوٹکی ضلع گھوٹکی کے شہر ڈہرکی کی رہائشی 50 سالہ محنت کش خاتون اللہ ودھائی زوجہ تاج محمد سولنگی اور انکی بیٹی 10 سالہ شیما سولنگی گھر میں ہاتھ کی بنائی گئی رلیاں (بیڈ شیٹ) بیچنے کے لئے 28 فروری کو اپنے شہر ڈہرکی سے 15 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع گاؤں مینہوں مہر گئیں۔ اور اندھیرا پڑ جانے پر وہاں نور حسن کے گھر قیام کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ صبح کے وقت وہ وہاں سے اپنے گھر کے لیے روانہ ہوسکیں۔ آدھی رات کے وقت نور حسن نے دونوں ماں، بیٹی کو چائے میں نشہ آور چیز ملا کر پلا دی۔ جس پر شیما اور اس کی ماں اللہ ودھائی بے ہوش ہوگئیں۔ تین ملزمان نور حسن، گل حسن اور ہاشم نے شیما سولنگی کو اجتماعی جنسی تشدد کا نشانہ بنایا جس کی چیخ و پکار سے اس کی ماں کی آنکھ کھل گئی جس نے مزاحمت کی جس پر ملزمان نے اسے بھی اجتماعی تشدد کا نشانہ بنایا۔ جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے دونوں ماں بیٹی کو باندھ کر نذر آتش کر کے فرار ہوگئے۔ جس کے نتیجے میں دونوں ماں بیٹی شدید زخمی ہوگئیں جنہیں نزدیکی گاؤں کے لوگوں نے گورنمنٹ ہسپتال میں داخل کرایا جہاں سے انہیں شیخ زید ہسپتال رحیم یار خان منتقل کر دیا گیا۔ تاہم شیما سولنگی زخموں کے تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ گئی۔

ایچ آر سی پی کے کارکنان نے واقع کی تفصیلات کے متعلق حقائق اکٹھے کئے جو کہ درج ذیل ہیں۔

صادق سولنگی کا موقف:۔

متاثرہ اللہ ودھائی سولنگی کے بیٹے صادق سولنگی نے میڈیا کو بتایا کہ وہ اصل حقیقت سامنے آنے سے قبل اس وقوعہ سے لاتعلق تھے جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی بہن کو خاموشی سے آبائی قبرستان میں دفن کر دیا۔ ان کی والدہ کو 28 دن کے بعد ہوش آیا جنھوں نے خود پر بیتے ظلم کی داستان سنائی۔ وہ تھانہ کھینجھو میں ملزمان کے خلاف کیس درج کرانے گئے تو ایس ایچ او اقبال راجپوت نے ایف آئی آر درج کرنے سے انکار کر دیا۔ جس پر انہوں نے سیشن کورٹ گھوٹکی میں پٹیشن دائر کرائی اور عدالتی حکم پر ایف آئی آر درج ہوئی۔ پولیس والدہ کا بیان لینے سے انکار کر رہی تھی۔ بعد میں جب سیشن جج نے حکم دیا تو بیان لیا گیا اور FIR درج کی گئی، پولیس اور علاقے کے وڈیروں کا دباؤ تھا کہ ایف آئی آر کی بجائے وقوعے کا فیصلہ پنچائت کے ذریعے کروایا جائے۔

متاثرہ اللہ ودھائی سولنگی کا موقف:۔

28 فروری کو وہ رلیاں بیچنے ڈہرکی سے 15 کلو میٹر دور گاؤں مینہوں خان مہر میں گئی جہاں پر اسے دیر ہوگئی۔ اُسے اور اس کی بیٹی کو نور حسن، گل حسن اور ہاشم نے اپنی کچی جھونپڑی میں ٹھہرایا۔ رات گئے اس کی بیٹی سے تینوں ملزمان نے جنسی زیادتی کی، جس کی چیخ و پکار پر میری آنکھ کھل گئی اور میں نے مزاحمت کی تو مجھے بھی جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا، بعد میں انھوں نے مٹی کا تیل چھڑک کر نذر آتش کر دیا، جس سے میں جھلس گئی اور میں بعد میں بے ہوش ہوگئی۔ جب مجھے ہوش ہسپتال میں ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ میری بیٹی ہسپتال میں دم توڑ چکی ہے۔ مجھے 28 دن بعد ہوش آیا۔

پولیس کی کاروائی:۔

سیشن کورٹ گھوٹکی کے حکم پر متاثرہ کے ورثاء صادق ولد تاج محمد سولنگی کی مدعیت میں حدود تھانہ کھینجھو میں ایف آئی آر درج کی گئی۔

نور حسن، گل حسن اور ہاشم ولد الاہی بخش نامزد ملزمان ہیں۔ تمام ملزمان فرار ہو چکے ہیں۔ مدعی نے موقف اختیار کیا کہ اس کی بہن اور والدہ نور حسن کے گھر ٹھہری ہوئی تھیں، جنہیں ملزمان نور حسن شر، گل حسن اور محمد ہاشم نے نشہ آور چیز کھلا کر جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور نذر آتش کر دیا جس کی وجہ سے اس کی بہن شیما ہلاک ہوگئی جبکہ والد شدید زخمی ہوگئیں۔

واقعے کے متعلق حقائق اکٹھا کرنے والوں میں انور لوہار ایڈووکیٹ، صحافی اللہ ورایو بوزدار اور شمس بھٹو شامل تھے۔

(رپورٹ مرتبہ کردہ: شاکر جمالی)

سال 2014ء میں انسانی حقوق کی صورتحال

خیرپور میرس سال 2014ء میں ضلع خیر پور میں انسانی حقوق کی صورتحال خراب رہی۔اس سال مختلف وجوہات کی بنیاد پر 156 افراد قتل ہوگئے جن میں 112 مرد، 33 خواتین اور 11 معصوم بچے بھی قتل ہوئے جن کی عمریں 5 سے 14 سال کے درمیان تھیں۔

قتل کے واقعات

1۔ مذہبی جھگڑوں میں دو افراد قتل ہوئے

2۔ قبائلی جھگڑوں میں 49 افراد قتل ہوئے

3۔ پرانی دشمنی میں 32 افراد قتل ہوئے

4۔ گھریلو جھگڑوں میں 24 افراد قتل ہوئے

5۔ پسند کی شادی کے جھگڑوں میں 7 افراد قتل ہوئے

6۔ زمینی تکرار میں 6 افراد قتل ہوئے

7۔ ڈکیتی کی مزاحمت پر 12 افراد قتل ہوئے

8۔ نامعلوم وجوہات پر 14 افراد قتل ہوئے

خودکشی کے واقعات

سال 2014ء کے دوران ضلع خیر پور میں 71 افراد نے خودکشی کی۔

اقدام خودکشی

سال 2014ء کے دوران 109 افراد نے خودکشی کرنے کی کوشش کی جن میں 64 مرد اور 45 خواتین شامل تھیں۔

اغواء کے واقعات

سال 2014ء کے دوران ضلع خیر پور سے 39 افراد اغوا ہوئے جن میں سے 14 مرد، 20 خواتین اور 5 بچے شامل تھے جبکہ دلوند سے اغواء کئے گئے عقیل جھانگی اور پیر جو گوٹھ سے اغواء کئے گئے 5 سالہ بچے ناصر کا نہر کو قتل کیا گیا۔

جنسی تشدد کے واقعات

سال 2014ء کے دوران ضلع خیر پور میں 24 افراد جنسی تشدد کا نشانہ بنے جن میں 7 مرد اور 17 خواتین شامل تھیں۔

کاروکاری کے واقعات

سال 2014ء کے دوران ضلع خیر پور میں 25 افراد کو کاروکاری کے الزام میں قتل کیا گیا۔جن میں 8 مرد اور 17 خواتین شامل تھیں۔

جرگوں کا انعقاد

سال 2014ء کے دوران ضلع کے مختلف علاقوں میں مختلف برادریوں کے درمیان جاری جھگڑوں کے جرگے بھی ہوئے جن میں فریقین پر لاکھوں روپے جرمانہ عائد کیا گیا جبکہ گاؤں راضی متیلو میں متیلا برادری کے دو فریقین کے درمیان کاروکاری کے جرگے میں دس سالہ لڑکی صنم متیلو اور گاؤں لونگ پنھیار میں پسند کی شادی کے جھگڑے کے جرگے میں دس سالہ لڑکی فوزیہ پنھیار سگ چیٹی کے طور پر دی گئی۔اس کے علاوہ سوبھوڈیرو میں گیارہ سالہ بچی جمیلہ لاشاری اور سٹھارجہ میں سات سالہ عائشہ لنڈ کو فروخت کردیا گیا۔ (عبدالمنیم ابڑو)

نعش برآمد

فیصل آباد ڈجکوٹ میں لاپتہ ہونے والے نوجوان کی نعش سیم نالہ سے برآمد ہوئی۔ڈجکوٹ کے نواحی گاؤں چک نمبر 258 رب پھرالہ کا رہائشی محمد وسیم اچانک اپنی حویلی سے لاپتہ ہوگیا تھا۔اہل خانہ نے ہر جگہ تلاش کیا تاہم کوئی سراغ نہ مل سکا۔اغواء کے چند روز بعد اس کی نعش سیم نالہ سٹی سمندری سے برآمد ہوئی، وسیم کے سر اور ٹانگ پر گولیاں مار کر اس کی نعش سیم نالے میں بہادی گئی تھی۔پولیس نے اطلاع ملنے پر نعش قبضہ میں لے کر ضروری قانونی کارروائی کے بعد ورثاء کے حوالے کردی۔پولیس نے مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کردی۔ (میاں نوید)

بنیادی سہولیات کا فقدان

فیصل آباد صوبائی اسمبلی کے حلقہ 66 کے رہائشی بنیادی سہولیات کی عدم دستیابی پر منتخب عوامی نمائندوں کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے۔یونین کونسل 214 چیاں کے رہائشی علاقہ میں موجود گندا نالہ نہ صرف شہریوں کیلئے ناگوار بدبو کا سبب بلکہ بچوں کے گرنے کے واقعات کے باعث خوف کی علامت بن چکا ہے۔ سروے کے دوران ملک ممتاز، سلطان، آصف، بلال، ملک عارف اور یاسر سمیت دیگر شہریوں کا کہنا تھا کہ یونین کونسل 214 میں گندگی کے ڈھیر علاقہ مکینوں کیلئے اذیت بن گئے ہیں۔ان کا کہنا تھا کہ ایک طرف تو شہر کی تعمیر و ترقی کیلئے فنڈز استعمال کئے جا رہے ہیں لیکن شہر میں موجود درجنوں گندے نالے چھتوں سے محروم ہیں، متعدد بار علاقہ ایم پی اے و ایم این اے کو گندے نالے کی چھت تعمیر کرنے کی درخواست کی گئی تاہم کوئی عملدرآمد نہیں ہو سکا۔دوسری طرف علاقہ کی سڑکیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں عرصہ دراز سے حلقہ کی تعمیر و ترقی کیلئے کوئی خاطر خواہ اقدامات نہیں کئے گئے جس پر شہریوں کو شدید تحفظات ہیں۔شہریوں نے ڈی سی او فیصل آباد سے مطالبہ کیا ہے کہ یونین کونسل 214 کے مسائل کے حل کیلئے فوری اقدامات کئے جائیں۔

(میاں نوید)

تشدد کے واقعات، تین افراد ہلاک

کوئٹہ بلوچستان میں 9 مارچ کو فائرنگ اور دھماکہ خیز مواد پھٹنے کے واقعات میں دو پولیس اہلکاروں سمیت تین افراد ہلاک ہوگئے ہیں۔ہلاک ہونے والوں میں ایک خاتون بھی شامل ہے۔ پولیس پر حملے کا واقعہ پیر کو ضلع نوشکی میں پیش آیا۔نوشکی پولیس کے ایک اہلکار نے بتایا ہے کہ کلی بھٹو کے علاقے میں ایک اسسٹنٹ سب انسپکٹر سمیت دو اہلکار معمول کے گشت پر تھے جب نامعلوم مسلح موٹر سائیکل سواروں نے ان کی گاڑی پر پیچھے سے حملہ کیا۔ حملے کے نتیجے میں دونوں اہلکار موقع پر ہلاک ہوگئے۔ پولیس اہلکاروں پر حملے کی ذمہ داری کالعدم عسکریت پسند تنظیم بلوچ لبریشن آرمی نے قبول کی ہے۔خاتون کی ہلاکت کا واقعہ ایران سے متصل ضلع کیچ کے علاقے ہوشاب میں پیش آیا۔کیچ انتظامیہ کے ایک اہلکار نے بتایا کہ نامعلوم افراد نے ہوشاب میں سڑک کنارے دھماکہ خیز مواد نصب کیا تھا۔دھماکہ خیز مواد پھٹنے کے نتیجے میں ایک خاتون ہلاک ہوگئی۔ایک ہفتہ قبل ضلع لورالائی میں بھی پولیس اہلکاروں پر حملہ ہوا تھا جس میں تین پولیس اہلکار ہلاک جبکہ ڈی پی او ہرنائی زخمی ہوئے تھے۔ (نامہ نگار)

انجینئر سمیت پانچ افراد اغواء

پسنی 2 فروری کو پسنی سے پچیس کلومیٹر دور شادی کور کے مقام پر زیر تعمیر شادی کور ڈیم کے مقام پر کام سے واپس آنے والے انجینئر سمیت پانچ افراد کو نامعلوم افراد نے اغواء کرلیا۔ مغویان میں شامل جمال نور کے رشتہ داروں نے میڈیا کو بتایا کہ جمال نور کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اس کے اغواء پر اہلخانہ شدید کرب کا شکار ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ انسانیت کے ناطے تمام ملازمین کو رہا کیا جائے۔ تین دن بعد مذکورہ بالا افراد کو رہا کرنے کی خبر ذرائع ابلاغ میں نشر ہوئی تھی جس کی تصدیق نہیں ہوسکی تھی۔

(نامہ نگار)

کوئٹہ 27 مارچ 2015ء: ایچ آر سی پی کوئٹہ چیپٹر نے صوبے میں انسانی حقوق کی صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے اجلاس منعقد کیا۔

جنوبی وزیرستان کے پناہ گزینوں کی واپسی

---- وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقوں سے فوجی آپریشن کے باعث کے نقل مکانی کرنے والوں کی واپسی کا عمل 16 مارچ سے شروع ہورہا ہے۔ فاٹا ڈیزاسٹر مینیجمنٹ اتھارٹی کے ڈائریکٹر آپریشنز فرمان خلجی نے بتایا کہ 16 مارچ سے جنوبی وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والے افراد کی واپسی کا آغاز ہوگا۔ ان کا کہنا تھا کہ جنوبی وزیرستان کی تحصیل سراروغا اور سروائی کے پچیس ہزار خاندان اپنے گھروں کو واپس جائیں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ ان افراد کو 10 ہزار روپے فی خاندان ٹرانسپورٹ کے زمرے میں دیے جارہے ہیں اور 25 ہزار روپے اے ٹی ایم کے ذریعے دیے جارہے ہیں۔ ہم نے اس سارے عمل کو سٹریم لائن کردیا ہے تاکہ ان افراد کو رقم کے لیے لوگوں سے واسطہ کم سے کم پڑے۔' جنوبی وزیرستان میں 2009 میں فوجی آپریشن راہ نجات شروع کیا گیا تھا جس میں سات لاکھ افراد نقلِ مکانی کر کے ٹانک، ڈیرہ اسماعیل خان اور دیگر علاقوں کو چلے گئے تھے۔ ان متاثرین کے لیے کوئی کیمپ قائم نہیں کیا گیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ جنوبی وزیرستان کے لوگوں کی واپسی کے بعد بیس مارچ یعنی جمعہ سے خیبر ایجنسی سے نقل مکانی کرنے والے افراد کی اپنے گھروں کو واپسی کا عمل شروع ہوگا۔ خیبر ایجنسی کی تحصیل باڑہ کے علاقے اکاخیل کے 20 ہزار خاندان اپنے گھر لوٹیں گے۔ 'شمالی وزیرستان کی تحصیل میرعلی کے 18 ہزار خاندان اس ماہ کی اکتیس تاریخ سے اپنے گھروں کو واپس جانا شروع ہوجائیں گے۔ فاٹا میں قدرتی آفات سے نمٹنے کے ادارے ایف ڈی ایم اے کے مطابق باڑہ سے ایک لاکھ 71 ہزار افراد گھر بار چھوڑ کر پناہ گزین کیمپوں یا رشتہ داروں کے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے تھے۔ شمالی وزیرستان کے پناہ گزینوں کے حوالے سے فرمان خلجی کا کہنا تھا کہ ان کی واپسی کا عمل 31 مارچ سے شروع ہوگا۔ 'شمالی وزیرستان کی تحصیل میرعلی کے 18 ہزار خاندان اس ماہ کی اکتیس تاریخ سے اپنے گھروں کو واپس جانا شروع ہوجائیں گے۔' فوج کے ترجمان کے مطابق آپریشن ضرب عضب میں شمالی وزیرستان کا اسّی فیصد علاقہ شدت پسندوں سے پاک کیا جاچکا ہے۔ قبائلی رہنماؤں اور متاثرین کا مطالبہ رہا ہے کہ جو علاقے شدت پسندوں سے صاف کیے جاچکے ہیں وہاں لوگوں کو واپس بھیج دیا جائے۔

(نامہ نگار)

طالبہ کو جنسی تشدد کا نشانہ بنانے کے الزام میں مدرسے کے سربراہ کو چودہ سال قید

مانسہرہ ایبٹ آباد میں انسدادِ دہشت گردی کی عدالت نے ایک مدرسے کے سربراہ اور اس کے دو ساتھوں پر ایک چلتی کار میں فرسٹ ایئر کی طالبہ کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنانے پر فردِ جرم عائد کرتے ہوئے ان میں سے دو مجرموں کو چودہ سال قیدِ بامشقت کی سزا سنائی۔ انسدادِ دہشت گردی کی عدالت کے جج راجہ مسعود نے ایک شریک ملزم کو بھی مجرم قرار دیا، جو اس وقت کار ڈرائیو کررہا تھا، جب اس کے ساتھیوں نے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ اس کو دس سال قیدِ بامشقت کی سزا سنائی۔ گزشتہ سال 12 مئی کو ہونے والا جنسی زیادتی کا یہ کیس بڑے پیمانے پر مشہور ہوا تھا اور اس کی مذمت کی گئی تھی۔ ایک مذہبی عالم قاری نصیر جو ایک مذہبی مدرسے کا مہتمم بھی تھا، اپنے دو ساتھیوں محمد فیضان اور حسین مشتاق کے ہمراہ متاثرہ طالبہ کو اس کی ایک کلاس فیلو آمنہ بی بی کی مدد سے دھوکے سے کار میں بٹھالیا تھا۔ پولیس نے قاری نصیر اور اس کے دو ساتھیوں کو انسدادِ دہشت گردی ایکٹ اور پاکستان پینل کوڈ کی مختلف دفعات کے تحت گرفتار کیا تھا۔ وکیل صفائی اور استغاثہ کے دلائل مکمل ہونے کے بعد جج نے فیصلہ دیا کہ استغاثہ نے ان تینوں افراد کے خلاف اپنا مقدمہ ثابت کردیا تھا۔ انسدادِ دہشت گردی کی عدالت کے جج راجہ مسعود نے اس مقدمے میں خاتون ملزمہ کو بری کردیا۔ جج نے قاری نصیر اور محمد فیضان کو چودہ چودہ برس قیدِ بامشقت کی سزا سنائی۔ اس کے علاوہ جج نے حسین مشتاق کو ان دونوں مجرموں کی مدد کرنے کے کا مجرم قرار دیتے ہوئے دس برس قیدِ بامشقت کی سزا سنائی، جس نے مانسہرہ سے ایبٹ آباد تک کار ڈرائیو کی تھی، جس کے دوران اس جرم کا ارتکاب کیا گیا تھا، اگرچہ خود اس نے اس گھناؤنے جرم میں حصہ نہیں لیا تھا۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا، جب مجرموں نے متاثرہ لڑکی کے ساتھ ایک چلتی کار میں جنسی زیادتی کا ارتکاب کیا تھا، اور اس جرم کے بعد متاثرہ لڑکی کو غازی کوٹ ٹاؤن شپ پر گاڑی سے باہر پھینک دیا تھا۔ انسدادِ دہشت گردی کی عدالت نے اس مقدمے کی تقریباً دس مہینے سماعت کرنے کے بعد فیصلے کا اعلان کیا۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

پانی کے شدید بحران اور خشک سالی کے خدشات

اسلام آباد شدید موسمیاتی حالات کے نتیجے میں پانی کے بحران کے خدشات کے ساتھ انڈس ریور سسٹم اتھارٹی (ارسا) نے حکومت سے تمام ترقیاتی پروگرامز (پی ایس ڈی پی) پانچ سال کے لیے منجمد کرنے اور جنگی بنیادوں پر بڑے آبی ذخائر کی تعمیر کے لیے ان فنڈز کا استعمال قومی ترجیح قرار دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ چاروں صوبوں کے آبپاشی اور انجینئرنگ ماہرین پر مشتمل ارسا نے اہم آبی ذخائر کا نام تو نہیں لیا تاہم یہ ضرور کہا ہے کہ کم از کم بائیس ملین ایکڑ فٹ (ایم اے ایف) ذخیرے کی صلاحیت جلد از جلد حاصل کی جانی چاہئے۔ ارسا کے چیئرمین رقیب خان نے سیکرٹری پانی وبجلی کے نام لکھے مراسلے میں کہا ہے "ملک کو درپیش مشکلات کے خاتمے کے لیے تمام شعبوں کو پی ایس ڈی پی کو پانچ سال کے لیے منجمد کر دیا جانا چاہئے اور فنڈز کا رخ بڑے خازئر کی تعمیر کے لیے ترجیحی بنیاد پر موڑ دیا جانا چاہئے کیونکہ یہ عوامی مفاد میں ہے"۔ یہ مراسلہ ارسا کے اجلاس کے بعد جاری ہوا اور پانی کے ذخائر کے لیے فنڈز کے لیے پی ایس ڈی پی منصوبوں کو منجمد کرنے کے آپشن کے حوالے سے سیکرٹری پانی و بجلی یونس ڈھاگہ نے تبصرہ کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے ارسا کا خط ابھی تک نہیں دیکھا۔ ارسا کی جانب سے 25 فروری کو لکھے گئے خط جس کی ایک نقل ڈان کو دستیاب ہے، میں کہا گیا ہے وزیر پانی وبجلی خواجہ آصف نے گزشتہ ماہ پانی کے بحران کی جانب سے اشارہ کیا تھا جو لوگوں کو موجودہ توانائی کا بحران بھلا دینے پر مجبور کر سکتا ہے۔ ارسال نے یہ بھی کہا کہ 30 ایم اے ایف سے زیادہ پانی سمندر میں جا رہا ہے حالانکہ ماحولیاتی وجوہات کے لیے کوٹری ڈاؤن اسٹریم میں آٹھ سے دس ایم اے ایف پانی کی ہی ضرورت ہے۔ ادارے نے مزید کہا ہے کہ مختلف آبی منصوبوں پر 'اتفاق' کی بحث درحقیقت غیر سنجیدگی کو چھپانے کی کوشش ہے۔ خط میں کہا گیا ہے "یہاں 1991 کے پانی کے معاہدے کے پیراسکس کا ذکر کرنا برمحل ہوگا جس پر تمام صوبوں نے سولہ مارچ کو دستخط کیے اور جس کی توثیق مشترکہ مفادات کونسل نے اکیس مارچ 1991 کو کی، پیرا میں واضح طور پر نئے آبی ذخائر کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے"۔ پیراسکس میں کہا گیا ہے کہ سندھ اور دیگر دریاؤں میں قابل عمل پانی کے ذخائر کی مستقبل میں آبپاشی کی ترقی کے لیے ضرورت کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ ارسا کا کہنا ہے کہ "معاہدے کا بنیادی فیچر آبی ذخائر کی توسیع کے حوالے سے ہے کیونکہ اس کے چودہ پیروں میں سے چھ اس بارے میں ہیں مگر ان قیمتی ذخائر کے حوالے سے لاتعلقی کے نتیجے میں پانی کی دستیابی کینال ہیڈز میں 97 ایم اے ایف تک گر گئی ہے (جو کہ 1991 میں 105 ایم اے ایف تھی)"۔ یہ خلاء مزید بڑا ہوگا اور خوفناک حد تک پہنچ جائے گا کیونکہ موجودہ ذخائر کی صلاحیت وقت گزرنے کے ساتھ کئی وجوہات کی بناء پر زوال پذیر ہے۔ ارسا نے مزید کہا کہ اوسطاً اس وقت تیس ایم اے ایف تازہ پانی کوٹری بیراج کے ڈاؤن اسٹریم میں سمندر کے لیے چھوڑا جا رہا ہے جبکہ بنیادی ضرورت 8.6 ایم اے ایف کی ہے" لگ بھگ بائیس ایم اے ایف تازہ پانی کوٹری سے سمندر میں بغیر استعمال کیے چھوڑا جا رہا ہے"۔ ارسا کے مطابق "ملک میں پانی کی مجموعی دستیابی 145 ایم اے ایف (اوسطاً) ہے جبکہ اس وقت ذخیرے کی صلاحیت صرف 14.10 ایم اے ایف یعنی 9.7 فیصد ہے، جبکہ دیگر ممالک میں یہ اوسط چالیس فیصد تک ہے جس کے حصول کی فوری ضرورت ہے"۔ خط میں کہا گیا ہے "اس چیز کو دیکھتے ہوئے ارسا پرزور سفارش کرتی ہے کہ نئے آبی ذخائر جنگی بنیادوں پر تعمیر کیے جائیں جن کی کم از کم صلاحیت 22 ایم اے ایف ہو کیونکہ زراعت ملک کے لیے ریڑھ کی ہڈی ہے"۔ ارسا کا کہنا تھا کہ نئے ذخائر سے پانی کی دستیابی کی صورتحال میں بہتری لانے میں مدد ملے گی جبکہ جی ڈی پی اور سیلاب کو کنٹرول کرنے میں بھی مدد ملے گی، اس کے علاوہ سستی ماحول دوست ہائیڈرو الیکٹرک بجلی سے توانائی بحران پر قابو پانے میں مدد ملے گی۔ مقامی اور عالمی آبی ماہرین جن میں عالمی بینک اور ارتھ پالیسی انسٹیٹیوٹ بھی شامل ہیں، نے پاکستان کے لیے بڑے پانی کے بحران، سیلاب، قحط سالی، دس سے چالیس برسوں کے دوران ہمالیہ کے گلیشیئرز کا غیر معمولی رفتار سے پگھلنا، اسٹوریج کی کم صلاحیت اور دیگر غیر یقینی صورتحال کا انتباہ کیا ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

آرام باغ کے قریب دھماکا، 2 افراد ہلاک

کراچی 20 مارچ کو کراچی کے علاقے آرام باغ میں بوہڑی برادری کی مسجد کے باہر دھماکے کے نتیجے میں 2 افراد ہلاک جب کہ سات زخمی ہوگئے ہیں۔ دھماکے کے وقت برہانی ہسپتال کے قریب صالح مسجد میں نماز کی ادائیگی جاری تھی۔ سول ہسپتال انتظامیہ کے مطابق دھماکے کے بعد ایک لاش اور چار زخمیوں کو وہاں منتقل کیا گیا ہے۔ پولیس کے مطابق یہ دھماکا ٹائم ڈیوائس کے ذریعے کیا گیا جو کہ موٹر سائیکل میں نصب تھی۔ ڈی آئی جی عبدالخالق شیخ کے مطابق علاقے میں سیکیورٹی کے سخت انتظامات کیے گئے اور بیشتر دکانیں بند ہونے کی وجہ سے نقصان کم ہوا ہے۔ دھماکے کی آوازیں دور دور تک سنی گئیں، جبکہ اردگرد کی دکانوں، گاڑیوں اور عمارتوں کو بھی نقصان پہنچا۔ دھماکے کے بعد پولیس اور امدادی ٹیمیں جائے وقوعہ پر روانہ ہوگئیں، جبکہ رینجرز کی بھاری نفری نے علاقے کو گھیرے میں لے لیا۔ ابتدائی اطلاعات کے مطابق دھماکا خیز مواد ایک موٹر سائیکل میں نصب کیا گیا تھا۔ عینی شاہدین کے مطابق دھماکا بوہڑی برادری کے جماعت خانے کے قریب ہوا۔ بم ڈسپوزل اسکواڈ نے کراچی کے علاقے آرام باغ میں برہانی ہسپتال کے قریب صالح مسجد میں ہونے والے دھماکے کی ابتدائی رپورٹ تیار کر لی ہے۔ رپورٹ کے مطابق دھماکا خیز مواد موٹر سائیکل کی ٹنکی کے نیچے نصب تھا، جبکہ دھماکے میں بال بیئرنگ کا بھی استعمال کیا گیا۔

(نامہ نگار)

مزید دو تشدد شدہ لاشیں برآمد

کراچی پاکستان کے ساحلی شہر کراچی میں مزید دو تشدد شدہ لاشیں ملی ہیں جنہیں گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا ہے جس کے بعد کراچی میں رواں ہفتے ملنے والی لاشوں کی تعداد پانچ ہوگئی ہے۔ کورنگی صنعتی تھانے کی حدود میں اللہ والا ٹاؤن کے قریب سے دو لاشیں ملی ہیں۔ پولیس کا کہنا ہے کہ دونوں افراد کی عمریں 20 سے 30 سال کے درمیان ہیں جن کو گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا ہے۔ دونوں کی لاشیں جناح ہسپتال میں پوسٹ مارٹم کے بعد ایدھی سرد خانے منتقل کر دی گئی ہیں۔ ایدھی رضا کاروں کا کہنا ہے کہ دونوں افراد شکل وصورت سے افغانی نظر آتے ہیں، اس سے قبل قومی شاہراہ اور سپر ہائی وے کو آپس میں ملانے والی سڑک سے تین لاشیں ملی تھیں، میمن گوٹھ پولیس کا کہنا ہے کہ تینوں افراد شلوار قمیض پہنے ہوئے ہیں جنہیں قریب سے گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ پولیس کا کہنا تھا کہ ہلاک ہونے والوں میں دو کی عمر 20 سے 25 سال کے درمیان ہے، تینوں لاشیں فلاحی ادارے ایدھی فاؤنڈیشن کے سرد خانے میں موجود ہے۔ ایدھی حکام کا کہنا ہے کہ ابھی تک کوئی بھی لاشوں کی شناخت کے لیے نہیں آیا ہے۔ پولیس کو شبہ ہے کہ تینوں کا تعلق کسی شدت پسند گروہ سے ہے۔ واضح رہے کہ اس سال کراچی سے ملنے والی یہ پہلی لاشیں ہیں گذشتہ سال اسی سڑک سے درجن کے قریب لاشیں برآمد ہوئی تھیں۔

(بی بی سی اردو)

تعلیم

سکول کے قیام کا مطالبہ

چمن چمن کے گاؤں حاجی اللہ محمد سائل کے مکینوں نے ضلعی کورگروپ ایچ آر سی پی کو بتایا کہ ان کے گاؤں میں سینکڑوں بچے تعلیم سے محروم ہیں۔ انہیں وہ 2003 سے ضلع سے لے کر ڈائریکٹر تعلیم تک تمام اعلیٰ حکام کو اس مسئلہ سے آگاہ کر رہے ہیں۔

(محمد صدیق)

گرلز ہائی سکول میں سہولیات کا فقدان

فیصل آباد جڑانوالہ گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول 280 گ ب منج کا چک بنیادی سہولتوں سے عرصہ دراز سے محروم ہے۔ 300 طالبات کے لئے صرف 2 ٹیچرز تعینات ہیں۔ سکول کی نہ تو عمارت ہے اور نہ فرنیچر دستیاب ہے۔ پینے کے صاف پانی، بجلی اور سیوریج سمیت کوئی بھی سہولت دستیاب نہیں ہے۔ منتخب نمائندوں اور محکمہ تعلیم کے متعلقہ حکام کو متعدد بار آگاہ کرنے کے باوجود ابھی تک سکول کی عمارت تعمیر نہیں ہوسکی۔ اہل علاقہ نے وزیراعلیٰ پنجاب اور محکمہ تعلیم کے اعلیٰ افسران سے فوری طور پر نوٹس لینے کا مطالبہ کیا ہے۔

(نامہ نگار)

طلباء کے داخلے کو یقینی بنایا جائے

باجوڑ ایجنسی باجوڑ ایجنسی میں 1000 کے قریب طلباء سیٹوں کی کمی کی وجہ سے داخلے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ایجنسی میں 4 کالجز ہیں تاہم طلباء کے لیے مختص نشستیں انتہائی کم ہیں۔ علاوہ ازیں اساتذہ کی تعداد بھی بہت کم ہے۔ باجوڑ ایجنسی کے تمام کالجز میں عملے کی کمی کا مسئلہ کئی سالوں سے چلا آرہا ہے۔ جس کی وجہ سے طلباء کو شدید پریشانی کا مطالبہ کرنا پڑ رہا ہے۔ باجوڑ ایجنسی کے طلباء نے اعلیٰ حکام سے اپیل کی ہے کہ اس مسئلے کا فوری حل نکالا جائے، سینکڑوں طلباء کا تعلیمی سال ضائع ہونے سے بچایا جائے، ایمرجنسی بنیادوں پر داخلوں سے محروم 1000 طلباء کے لیے موجودہ کالجز میں داخلوں کا بندوبست کیا جائے اور آئندہ کے لیے مستقل حل نکال کر کالجز میں سیٹوں کا اضافہ کر کے ان کے لیے سٹاف کا بندوبست کیا جائے۔

(نامہ نگار)

سندھ کے سکولوں کے نصاب میں جناح کی تقریر کی شمولیت خوش آئند اقدام ہے: آوازِ حق اتحاد

لاہور انسانی حقوق کی 12 تنظیموں کے نیٹ ورک آوازِ حق اتحاد نے قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر کو صوبہ سندھ کے اسکولوں کے نصاب میں شامل کرنے کے سندھ حکومت کے فیصلہ کو خوش آئند قرار دیا ہے۔ قائداعظم نے یہ تقریر اگست، 1947ء کو پاکستان کی پہلی آئین ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں کی تھی۔ اس تقریر میں قائد نے پاکستان میں شہریوں کی برابری اور قانون کی حکمرانی کے اصولوں پر مبنی تکثیری جمہوریت کے نفاذ پر زور دیا تھا۔

آوازِ حق اتحاد کے کنوینر پیٹر جیکب اور کوآرڈینیٹر سیسل شین چوہدری نے کہا، ''سندھ حکومت کا یہ اقدام قابل ستائش ہے۔ اس اقدام پر عملدرآمد کی صورت میں ہمارے معاشرے میں مسلک، عقیدے اور نسل کی بنیاد پر پائے جانے والے تعصّبات اور فرقہ بندیوں میں کمی آئے گی۔ ہمارا پُرزور مطالبہ ہے کہ دیگر صوبائی حکومتیں، آزاد و جموں کشمیر کی حکومت اور گلگت بلتستان اور فاٹا میں تعلیمی نصاب کا ذمہ دار ادارہ 'وفاقی ٹیکسٹ بورڈ' بھی سندھ حکومت کے اقدام کی پیروی کریں''۔

بیان میں مزید کہا گیا، ''ہمارا تمام متعلقہ سرکاری اداروں سے مطالبہ ہے کہ تعلیمی نظام میں اصلاحات متعارف کروائی جائیں۔ اس مقصد کے لیے تعلیمی شعبے کو مزید وسائل، عزم اور پیشہ ورانہ مہارت کی ضرورت ہے۔ تعلیم کو نظرانداز کرنے کے نتیجے میں ہماری قوم نہ صرف دنیا کی ناخواندہ اقوام میں شمار ہوتی ہے بلکہ مذہبی، فرقہ وارانہ اور جنسی تعصّبات والی کتابوں کے باعث پسماندہ ہے اور گروہ بندیوں کا شکار بھی ہے''۔ ''ہمیں اس بات پر بھی افسوس ہے کہ 16-2015ء میں اسکولوں سے فارغ التحصیل ہونے والے لاکھوں بچے کمرہ جماعت میں قائداعظم کی تقریر کا مکمل متن پڑھنے سے محروم رہیں گے۔ تعلیمی شعبوں کی طرف سے سکولوں اور اساتذہ کو خصوصی ہدایات کے ذریعے بچوں کو اسکولوں میں قائداعظم کے تصورِ پاکستان سے روشناس کرایا جاسکتا ہے۔

پیٹر جیکب، کنوینر آئی ایچ آئی

سیسل چوہدری، کوآرڈینیٹر آئی ایچ آئی

تین ہزار سے زیادہ مدرسے، 770 رجسٹرڈ ہی نہیں

پشاور خیبر پختونخوا کے مدارس میں تین لاکھ تیس ہزار طلبا زیرِ تعلیم ہیں جن میں ساڑھے چار ہزار غیر ملکی طلبا شامل ہیں۔ خیبر پختونخوا میں حکومت نے دینی مدارس کی فہرستیں تیار کی ہیں جن کی تعداد تین ہزار سے زیادہ ہے، ان میں 770 مدارس ایسے ہیں جو حکومت کے پاس رجسٹرڈ نہیں ہیں۔ ایسی اطلاعات ہیں کہ ان میں کچھ مدارس انتہائی حساس ہیں۔ وفاق المدارس کے ناظم کا کہنا ہے کہ حکومت مدارس کو نشانہ بنا رہی ہے جس کے خلاف وہ احتجاج کرتے ہیں۔ مدارس کا یہ سروے نیشنل ایکشن پلان کے تحت شروع کیا گیا ہے۔ ان فہرستوں کے مطابق خیبر پختونخوا کے مدارس میں تین لاکھ تیس ہزار طلبا زیرِ تعلیم ہیں ان میں ساڑھے چار ہزار غیر ملکی طلبا شامل ہیں۔ ان مدارس میں سولہ ہزار کے قریب کل اساتذہ ہیں جن میں دو سو اسی غیر ملکی اساتذہ ہیں۔ جنوبی ضلع بنوں میں سب سے زیادہ یعنی دو سو اکتالیس مدارس ہیں جن میں چھیاسٹھ مدارس غیر رجسٹرڈ ہیں۔ پشاور میں دو سو بتیس اور ڈیرہ اسماعیل خان میں دو سو اکیس مدارس ہیں۔ ان میں غیر رجسٹرڈ مدارس شامل ہیں لیکن ضلع کوہستان میں تمام بائیس مدارس رجسٹرڈ ہیں کوئی غیر رجسٹرڈ مدرسہ نہیں ہے۔ وفاق المدارس خیبر پختونخوا کے ناظم مولانا حسین احمد نے بی بی سی کو بتایا کہ مدارس کا رجسٹر نہ ہونے کی وجہ حکومتی پابندیاں اور بیوروکریسی کے طور طریقے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ سال دو ہزار چار تک مدارس کی رجسٹریشن پر پابندی عائد رہی اس کے بعد متعدد مدارس کے فارم رجسٹرار آفس میں جمع ہیں لیکن اس پر کوئی عمل درآمد نہیں ہو رہا۔ خیبر پختونخوا میں کوئی ڈیڑھ سو سے بھی کم مدرسے بی کیٹگری کے ہیں اور باقی تمام سی کیٹگری میں آتے ہیں۔ ایسی اطلاعات بھی ہیں کہ ان مدارس میں ایک سو چالیس کے لگ بھگ انتہائی حساس قرار دیے گئے ہیں۔ یہ رپورٹ پولیس اور خفیہ اداروں نے مشترکہ طور پر تیار کی ہے اور اب حتمی منظوری کے بعد یہ رپورٹ محکمہ داخلہ کو بھیج دی جائے گی۔ آئین کی اکیسویں ترمیم میں جن دو نکات کو زیادہ اہمیت حاصل رہی ان میں ایک فوجی عدالتوں کا قیام اور تمام مدارس کی رجسٹریشن شامل ہے۔ نیشنل ایکشن پلان پشاور میں آرمی پبلک سکول اینڈ کالج پر حملے کے بعد تیار کیا گیا تھا جس کے تحت اپیکس کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ یہ کمیٹیاں ہر صوبے کی سطح پر قائم کی گئیں اور ان کمیٹیوں کے اجلاس میں وزیراعظم نواز شریف اور فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف نے بھی شرکت کی تھی۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

طویل لوڈشیڈنگ کا مسئلہ حل کیا جائے

بصیرپور بصیر پور شہر میں گرڈ اسٹیشن کم ہونے کی وجہ سے مقامی شہریوں کو طویل لوڈشیڈنگ جیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ گرمیوں کے موسم میں ایک ایک گھنٹہ بعد لوڈشیڈنگ کی جاتی ہے۔ بصیر پور اور اس کے گردنواح میں بجلی کی لوڈشیڈنگ کی وجہ سے کاروبار زندگی متاثر ہوتا ہے اور مقامی شہریوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مقامی شہریوں نے گرڈ سٹیشن بصیر پور کی استعداد بڑھا کر 132 کے وی کرنے کے لیے محکمہ واپڈا اور ریسکو کو متعدد درخواستیں دی ہیں تاہم کوئی شنوائی نہیں ہوئی ہے۔ تاہم ان کا مطالبہ ہے کہ ان کا مطالبہ پورا کیا جائے تا کہ عوام کی مشکلات کم ہوں۔

(اصغر حسین)

پاسپورٹ آفس کے قیام کا مطالبہ

چمن بلوچستان کے دوسرے بڑے شہر چمن کی 9 لاکھ ہے، لیکن شہر میں ابھی تک کوئی پاسپورٹ آفس نہیں ہے۔ چمن کے عوام 150 کلومیٹر دور کوئٹہ جا کر پاسپورٹ بنواتے ہیں۔ حکومت سے مطالبہ ہے کہ وہ چمن میں پاسپورٹ دفتر کے قیام کو ممکن بنائے تا کہ عوام کی مشکلات میں کمی آئے۔

(محمد صدیق)

کھلونا بم پھٹنے سے 3 افراد ہلاک

سوات خیبر پختونخوا کے ضلع سوات کی تحصیل مدین میں کھلونا بم پھٹنے سے ایک ہی خاندان کے 3 افراد ہلاک اور 3 زخمی ہوگئے۔ سوات کی تحصیل مدین کے علاقے بشی گرام میں زور محمد نامی شخص کے گھر میں کھلونا بم پھٹنے سے گھر کے سربراہ سمیت دو بچے موقع پر ہلاک ہوگئے۔ واقعے میں ایک بچہ اور 2 بچیاں شدید ہوگئیں، جنھیں فوری طور پر خوازہ خیل ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔ متاثرہ خاندان کے ایک رکن کے مطابق بچوں کو یہ کھلونا بم گھر کے باہر سے ملا، جسے وہ اٹھا کر گھر لے آئے صبح کھیل کے دوران کھلونا بم اچانک پھٹ گیا۔ واقعے کے بعد پولیس اور بم ڈسپوزل اسکواڈ جائے وقوعہ پر پہنچ گیا۔ سیر و سیاحت کے کثیر مواقع کی وجہ سے سوات کو پاکستان کا سوئٹزرلینڈ کہا جاتا ہے جبکہ مدین سوات کا ایک مشہور تفریحی مقام ہے، تاہم حالیہ برسوں میں دہشت گردی کے پے در پے واقعات کی وجہ سے یہاں سیاحوں کی آمد و رفت میں خاصی کمی واقع ہوئی ہے۔ (نامہ نگار)

انجمن مزارعین کے سینکڑوں کارکنوں کی حراست

اوکاڑہ پولیس نے انجمن مزارعین پنجاب کے ایک ہزار چھ سو ایک کارکنوں کو حراست میں لے لیا ہے، ان میں سے پندرہ سو خواتین اور مرد کی شناخت نہیں ہوئی، جبکہ ایک سو ایک کو غیر قانونی اجتماع، سرکاری رہائشگاہوں میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے، سڑکوں کو بلاک کرنے اور حکومت کے خلاف میگا فون پر ناشائستہ زبان استعمال کرنے سمیت مختلف الزامات کے تحت نامزد کیا ہے۔ یہ مقدمہ سردار پولیس اسٹیشن میں ایس ایچ او محمد اسماعیل کی رپورٹ پر (ایف آئی آر نمبر 193/15) پی پی سی کے سیکشن 186، 353، 440، 452، 342، 148 اور 149 کے تحت درج کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اسلحے کے آرڈیننس گیارہ بی، ایم پی او سولہ، پنجاب ساؤنڈ سسٹم ریگولیشن آرڈیننس 2015ء کے سیکشن چھ اور انسدادِ دہشت گردی ایکٹ کے سیکشن سات کو بھی لاگو کیا گیا ہے۔ ایف آئی آر کے مطابق انجمن مزارعین پنجاب کے کارکنان پانچ گروہوں میں ہتھیاروں سے مسلح، لاٹھیاں، کلہاڑیاں اور پلاسٹک کی تھیلیوں میں سُرخ مرچیں لے کر اپنے رہنماؤں کی گرفتاری کے خلاف احتجاج کرنے ڈسٹرکٹ کمپلیکس پہنچے تھے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ احتجاجی مظاہرین نے عدالتوں اور دیگر دفاتر میں معمول کے کاموں کو معطل کر کے رکھ دیا۔ وہ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج، ڈی سی او اور ڈی پی او کی رہائشگاہوں میں بھی غیر قانونی طور پر داخل ہوگئے، اس کے علاوہ انہوں نے ڈسٹرکٹ کمپلیکس اور دیگر دفاتر کو جانے والی سڑکوں کو بند کر دیا۔ ایف آئی آر میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے حکومت اور انتظامیہ کے خلاف توہین آمیز نعرے بھی لگائے اور سرکاری املاک کو نقصان پہنچایا۔ انجمنِ مزارعین کے سیکریٹری جنرل مہر عبدالستار، کارکنان شفیق کمبوہ، حفیظ جابر، چمن علی، نعیم جھکھر، اکرام جھکھر سمیت خاتون کارکن بدرالنساء کو اسمقدمے میں نامزد کیا گیا ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

پنجاب کے بجٹ میں بچوں کی بہبود سے پہلوتہی

لاہور حال ہی میں جاری ہونے والی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ پچھلے تین مالی سالوں کے لیے پنجاب کے بجٹ بچوں کی بہبود کے حوالے سے دوستانہ نہیں تھے۔ بچوں کے لیے مؤثر بجٹنگ پر اس طرز کی رپورٹ پہلی مرتبہ سامنے آئی ہے۔ یہ رپورٹ منصوبہ بندی اور ترقیاتی بورڈ کے چائلڈ بیورسیل نے یونیسیف کے تعاون سے تیار کی ہے۔ اس رپورٹ میں مالی سال 2011-12ء، 2012-13 اور 2013-14ء کے ترقیاتی اور غیر ترقیاتی بجٹ کے تحت سالانہ ترقیاتی پروگراموں میں بچوں کے لیے مختص کی جانے والی رقوم کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ 2011ء سے پبلک فنڈز کے ذریعے مختص کی جانے والی رقوم میں بچوں کی سرگرمیوں کے لیے مختص رقم میں تھوڑا بہت اضافہ ہوا ہے، تاہم یہ رجحان اس لیے مثبت نہیں ہے، کیونکہ مختص کی جانے والی کل رقم میں وقت کے ساتھ ساتھ ایک حد تک کمی آئی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ غیر ترقیاتی بجٹ میں بچوں کے حق میں یہ تناسب کسی حد تک کم ہے، تاہم ترقیاتی بجٹ میں بچوں کی بہبود کے لیے مختص کی گئی رقم تقریباً چالیس فیصد ہے۔ تاہم براہ راست مختص کی جانے والی رقوم کے سب سے بہتر اثرات پڑتے ہیں، جو کل رقم کا نصف سے بھی کم ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ غیر ترقیاتی بجٹ میں بچوں کے لیے بطور خاص مختص کی جانے والی رقوم کی براہ راست ادائیگی صرف 0.2 فیصد ہے۔ سالانہ ترقیاتی پروگرام برائے 2011-12ء سے 2013-14ء کا حوالہ دیتے ہوئے کہا گیا کہ تعلیم کے لیے مختص کیے جانے والے حصے میں مجموعی طور پر اضافہ ہوا، لیکن ترقیاتی پروگرام اور سماجی شعبوں میں مختص کیے جانے والے کل حصے میں کمی آئی ہے۔ تاہم پچھلے کئی سالوں میں تعلیم کو مفت بنانے کے لیے کیے جانے والے اقدامات کے لیے بجٹ کے ذریعے فنڈز کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ سماجی شعبوں کے لیے مختص کی جانے والی رقم میں صحت کے شعبے کا حصہ تعلیم کے لیے مختص رقم سے کم ہے۔ تعلیم اور صحت کے علاوہ دیگر شعبوں میں مختص رقوم کے تجزیے سے یہ بات سامنے آئی کہ بچوں کی بہبود کے لیے بجٹ کا بہت کم حصہ مختص کیا گیا۔ تین مالی سالوں کے دوران ترقیاتی بجٹ میں بچوں کے لیے براہِ راست مختص کی جانے والی رقوم کا حصہ تقریباً پندرہ فیصد اور غیر ترقیاتی بجٹ میں صرف چار فیصد تھا۔ رپورٹ میں بچوں کے لیے مختص کی جانے والی رقوم کے اضافے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ سماجی شعبوں میں وسائل کی تخصیص اور بچوں کی بہبود کے لیے مثبت اقدامات کی سفارش کرتے ہوئے بچوں کے حقوق کے حصول کے لیے ایک سازگار ماحول تیار کرنے کا مطالبہ کیا گیا، جس میں بالواسطہ طور پر بچوں کو براہ راست متاثر کرنے والے دیگر شعبوں میں سرمایہ کاری شامل ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

صحت

ادویات کی کمی

چمن 13 فروری کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ضلعی کورگروپ چمن کے تین رکنی وفد ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر ہسپتال چمن کا دورہ کیا۔ مریضوں نے بتایا کہ ہسپتال میں صرف بااثر لوگوں کو اچھی ادویات دی جاتی ہیں۔ کورگروپ وفد نے ہسپتال کے عملہ سے بھی ملاقات کی۔ ان کا کہنا تھا کہ ہسپتال میں مریض زیادہ ہیں لیکن ادویات کا کوٹہ کم ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ انہوں نے محکمہ صحت کے اعلیٰ حکام کو آگاہ کیا ہے کہ چمن کے ادویات کوٹہ میں اضافہ کیا جائے۔ تاحال اس حوالے سے کوئی پیش رفت دیکھنے میں نہیں آئی۔

(محمد صدیق شمشاد)

صاف پانی کی عدم فراہمی

پارا چنار اپر کرم ایجنسی کے علاقے شلوزان کے اکثر دیہات کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں اور لوگ ندیوں کا گندا پانی پینے پر مجبور ہیں جس سے لوگ مختلف بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ ملک علی نذر، عابد حسین، مشتاق حسین، سید گلفام، نور علی شاہ، مراد علی، صابر بنگش، سید اطہر علی اور ڈاکٹر علی نذر نے بتایا کہ شلوزان کے گاؤں پرشان، گھڑے، ٹالے، خرلاچیوں کلے اور لارز اور پایاں کو پینے کے صاف پانی کے فراہمی کے لئے 30 سال قبل پائپ لائن بچھا دی گئی تھی جو وقت کے ساتھ آبادی میں اضافے کی وجہ سے اب ان دیہات کے رہائشیوں کے ناکافی ہو چکی ہے اور اب ان دیہات کے لوگ ندیوں کا گندا پانی پینے پر مجبور ہیں۔ جس میں کپڑے دھوے جاتے ہیں اور بعض جگہوں پر گھروں کا گندا پانی بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ بارشوں اور برسات میں ندیوں کے پانی کا رنگ سرمئی ہو جاتا ہے۔ اس پانی کے استعمال سے لوگ گلے، پھیپھڑوں، پیٹ اور گردوں کی بیماریوں کے علاوہ مختلف قسم کے امراضِ جلد کا بھی شکار ہو رہے ہیں۔ اس سے بچے اور معمر افراد ناتوانی کے باعث برح طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر اس مسئلے کا فوری طور پر سنجیدگی سے نوٹس نہ لیا گیا تو حالات بد سے برتر ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ شلوزان میں گلیشئر اوقدرتی برف کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جس کو بروئے کار لا کر نہ صرف شلوزان بلکہ پورے کرم ایجنسی کو پینے کا صاف پانی اور بجلی فراہم کی جاسکتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کاشتکاری میں انقلاب لایا جاسکتا ہے۔ لیکن وسائل کی کمی، شعور کی نایابی اور عدم دلچسپی اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اور ہر سال بے انتہا پانی ضائع ہو جاتا ہے۔

(نامہ نگار)

37 لاکھ ڈالر مالیت کی ویکسینز ضائع

اسلام آباد پاکستان نے عطیہ کی گئی بچوں کو مہلک امراض سے بچانے والی 37 لاکھ ڈالر مالیت کی ویکسینز ضائع کر دیں۔ سائرہ افضل تارڑ نے خبر رساں ادارے رائٹرز کو بتایا کہ ہم نے متعلقہ افسران کو معطل کر دیا ہے جبکہ اس سلسلے میں انکوائری کی جارہی ہے۔ حفاظتی ٹیکوں کے پروگرام کے مینیجر ڈاکٹر ثقلین احمد گیلانی نے بتایا کہ شاید جنریٹرز کی خرابی کے باعث یہ مسئلہ پیش آیا تاہم انکوائری کے بعد ہی صورت حال واضح ہوگی۔ انہوں نے بتایا کہ 37 لاکھ ڈالر مالیت کی 13 ملین ڈوسز ضائع ہو چکی ہیں جنہیں یونیسیف نے عطیہ کیا تھا۔ یونیسیف کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں 10 میں سے ایک بچہ اپنی پانچویں سالگرہ سے قبل ہی انتقال کر جاتا ہے جبکہ زیادہ تر بچے باآسانی علاج ہو جانے والی بیماریوں کے باعث ہلاک ہوتے ہیں۔ گزشتہ سال ایک بین الاقوامی ایجنسی نے حکومت کی جانب سے پولیو مینیجمنٹ کو 'تباہ کن' قرار دیا تھا۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

لیڈی ہیلتھ ورکرز تنخواہوں سے محروم

واشک ضلع واشک کی درجنوں مقامی لیڈی ہیلتھ ورکرز گزشتہ سات مہینوں سے تنخواہوں سے محروم ہیں۔ ہیلتھ ورکرز نے بتایا کہ کئی یقین دہانیوں کے باوجود ان کی تنخواہیں ادا نہیں کی جارہی ہیں جس کی وجہ سے وہ فاقہ کشی کا شکار ہو کر رہ گئی ہیں۔ انہوں نے دھمکی دی کہ اگر ان کی تنخواہیں ادا نہ کی گئیں تو وہ پولیو مہم کا بائیکاٹ کر کے بھرپور احتجاج کریں گی۔

(فاروق کبدانی)

فیملی ہسپتال لیڈی ڈاکٹر سے محروم

ہنزہ فیملی ہسپتال کریم آباد میں گزشتہ دس ماہ سے لیڈی ڈاکٹر کی اسامی خالی پڑی ہے جس پر لیڈی ڈاکٹر کی تعیناتی نہیں کی جارہی۔ میڈیکل آفیسر ڈاکٹر یاسمین عالم اس ہسپتال میں لیڈی ڈاکٹر کے فرائض سرانجام دے رہی تھیں جو 8 مئی 2014ء کو وہ ایک ٹریفک حادثے میں جاں بحق ہوگئیں۔ اس کے بعد سے اب تک لیڈی ڈاکٹر کی اسامی خالی ہے۔ خواتین مریضوں کو علاج و معالجے کے حوالے سے شدید مسائل کا سامنا ہے۔ حکومت سے اپیل ہے کہ اس معاملے کا نوٹس لیا جائے۔

(شیراز بانو)

تفریحی پارک کو ختم نہ کیا جائے

دیپالپور دیپالپور شہر کی آبادی دو لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ شہریوں کی تفریح کے لیے شہر کے اندر ایک پارک ٹی ایم اے دیپالپور قائم ہے جہاں روزانہ سینکڑوں شہری سیر کے لیے آتے ہیں۔ حالیہ دنوں میں ضلعی حکومت اوکاڑہ نے ٹی ایم اے پارک کو ختم کر کے وہاں پر کھیلوں کے لیے فلڈ لائٹ اسٹیڈیم کا سنگ بنیاد رکھ دیا ہے۔ اس اسٹیڈیم کے قیام سے مقامی شہری پارک کی سہولت سے محروم ہو گئے ہیں۔ مقامی شہریوں نے فلڈ لائٹ اسٹیڈیم کی تعمیر کو رکوانے کے لیے گزشتہ دنوں احتجاج بھی کیا تھا اور ضلعی حکومت اوکاڑہ سے پارک کی جگہ پر اسٹیڈیم کی تعمیر کے فیصلہ پر سخت تنقید کی تھی۔ ضلعی حکومت اوکاڑہ نے مقامی شہریوں کی طرف سے پارک کی جگہ پر اسٹیڈیم کی تعمیر کے فیصلہ پر عملدرآمد رکوانے کے لیے متعدد درخواستیں انتظامیہ کو بھجوائی ہیں تاہم کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ محمد آصف نے بتایا کہ ٹی ایم اے پارک دیپالپور شہر کی واحد تفریح گاہ ہے جہاں روزانہ سینکڑوں شہری سیر کے لیے آتے ہیں مگر ضلعی حکومت نے وہاں پر اسٹیڈیم کی تعمیر کا سلسلہ شروع کر دیا ہے جس پر مقامی شہری شدید تشویش میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ضلعی حکومت اس فیصلے کو واپس لے۔

(اصغر حسین حماد)

ہر سال اڑھائی لاکھ بچے پیدائش کے پہلے روز ہی ہلاک ہو جاتے ہیں

اسلام آباد وزیر مملکت برائے نیشنل ہیلتھ سروسز، ریگولیشن وکوآرڈینیشن سائرہ افضل تارڑ نے قومی اسمبلی کو بتایا ہے کہ ملک میں ہر سال اڑھائی لاکھ بچے اپنی پیدائش کے پہلے روز ہی ہلاک ہو جاتے ہیں۔وزیر مملکت کا کہنا تھا کہ ایک سال میں ایک لاکھ دس ہزار بچے پیدائش کے وقت مردہ پیدا ہوتے ہیں جبکہ ہر سال دس ہزار خواتین بچوں کی پیدائش کے حوالے سے مسائل کا شکار ہو کر ہلاک ہو جاتی ہیں۔اس سے قبل قومی اسمبلی کی رکن شائستہ پرویز اور آسیا ناز تنولی نے ملک بھر میں پیدائش کے وقت بچوں کی اموات میں اضافے پر تشویش کا اظہار کیا تھا۔سائرا افضل کا کہنا تھا کہ بدقسمتی سے حکومت گزشتہ 25 سال میں بچوں میں بڑھتی ہوئی شرح اموات کو روکنے میں ناکام رہی ہے۔ان کا کہنا تھا کہ سری لنکا میں بچوں میں شرح اموات صفر ہے اور شاید اس سب کا تعلق تعلیم اور شعور سے ہے۔انہوں نے کہا کہ ملک بھر میں 50 فیصد خواتین بچوں کو گھروں میں جنم دیتی ہیں جبکہ ماؤں کی جانب سے بچوں کو اپنا دودھ پلانے کے رجحان میں بھی روز بروز کمی دیکھی جا رہی ہے۔ان کا کہنا تھا کہ صوبائی ہسپتالوں میں زچگی اور بچوں کی صحت کے اداروں کو فنڈز فراہم کرنے کی ذمہ داری تمام صوبائی حکومتوں پر عائد ہوتی ہے۔انہوں نے ایوان میں بتایا کہ وزارت نے اس مسئلے کو مشترکہ مفادات کونسل کے ساتھ اٹھایا ہے تاکہ اس حوالے سے اقدامات کیے جا سکیں۔انھوں نے کہا کہ وزارت بچوں کی پیدائش کے وقت اموات کو کم کرنے کیلئے جون میں ایک پروگرام شروع کرنے کا ارادہ بھی رکھتی ہے۔ (انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

طے شدہ انسداد پولیو مہم کو ملتوی کر دیا گیا

کوئٹہ صوبائی محکمہ صحت کے حکام کے مطابق کوئٹہ کے علاوہ بلوچستان کے دیگر 32 میں سے 29 اضلاع میں انسداد پولیو مہم بغیر کسی روک ٹوک کے انتہائی سیکیورٹی میں جاری رہے گی۔ حکام کا کہنا ہے کہ شہر میں انسداد پولیو مہم کے دوران ہیلتھ ورکرز کی سیکیورٹی کے لئے مطلوبہ سیکیورٹی اہلکار موجود نہیں ہیں جس کے باعث مہم کو ملتوی کیا گیا۔محکمہ صحت کے سینئر عہدیدار کا کہنا تھا کہ وہ ہیلتھ ورکرز کی سیکیورٹی پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ پولیس اور دیگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکار کوئٹہ میں جاری اسپورٹس فیسٹول اور اس میں شریک کھلاڑیوں کی سیکیورٹی پر مامور ہیں۔ بلوچستان میں شروع ہونے والی تین روزہ انسداد پولیو مہم کے دوران 20 لاکھ سے زائد بچوں کو پولیو سے بچاؤ کے قطرے پلائے جائیں گے۔ادھر ایمرجنسی آپریشن سیل کے حکام کا کہنا ہے کہ کوئٹہ میں پشتون آباد کے علاقے میں تین ماہ کے بچے عبدالرحمان اچکزئی میں پولیو وائرس کی تصدیق ہوئی ہے۔ ای او سی کے ایک سینئر عہدیدار کا کہنا تھا کہ اطلاعات کے مطابق اس بچے کو مختلف انسداد پولیو مہم کے دوران 6 بار پولیو سے بچاؤ کے قطرے پلائے گئے ہیں۔ حکام کا کہنا ہے کہ رواں سال بلوچستان میں یہ پولیو کا تیسرا جبکہ ملک کا 23 واں کیس ہے۔ اس سے قبل زیادہ تر پولیو کیسز بلوچستان کے قلعہ عبداللہ، پشین، لورالائی اور قلعہ سیف اللہ کے اضلاع میں رپورٹ ہوئے ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ کوئٹہ، قلعہ عبداللہ اور پشین پولیو وائرس کے حوالے سے انتہائی حساس ہیں۔

(نامہ نگار)

بلوچستان میں پولیو کا ایک اور کیس

بلوچستان بلوچستان میں سیکیورٹی خدشات کے باعث انسداد پولیو مہم ملتوی ہونے کے بعد صوبے میں پولیو کا ایک اور کیس سامنے آ گیا ہے۔ایمرجنسی آپریشن سیل بلوچستان کے ایک سینئر افسر نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر ڈان نیوز کو بتایا کہ کوئٹہ کے علاقے پشتون آباد میں تین سالہ عبدالرحمان میں پولیو وائرس کی موجودگی کی تصدیق ہو گئی ہے۔پشتون آباد کوئٹہ کا نواحی علاقہ ہے جہاں افغان پناہ گزینوں کی کثیر تعداد آباد ہے۔مذکورہ افسر کے مطابق یہ کوئٹہ میں ظاہر ہونے والا پہلا کیس ہے جب کہ متاثرہ بچے کو چھ مرتبہ پولیو کے قطرے پلائے جا چکے ہیں۔سرکاری اعداد و شمار کے مطابق رواں برس بلوچستان میں ظاہر ہونے والا پولیو کیسز کی تعداد تین ہو گئی ہے تاہم آزاد ذرائع کا دعویٰ ہے کہ صوبے میں متاثرہ بچوں کی تعداد چار ہے۔کوئٹہ سمیت صوبے میں 29 اضلاع میں آج سے انسداد پولیو مہم کا آغاز ہونا تھا تاہم سیکیورٹی خدشات کے باعث اسے ملتوی کر دیا گیا۔ضلعی ہیلتھ افسر ڈاکٹر شاہ جہاں نے ڈان نیوز کو بتایا کہ پولیس اہلکاروں کی بڑی تعداد صوبے میں جاری بلوچستان اسپورٹس فیسٹیول میں اپنی ذمہ داریاں نبھا رہی ہے اس لیے پولیو ٹیموں کو مطلوبہ تعداد میں سیکیورٹی فراہم نہیں کی جا سکتی۔انہوں نے کہا کہ انہیں اپنی ٹیموں کے لیے سیکیورٹی درکار ہے۔ذرائع کے مطابق اس مہم کے دوران 29 اضلاع میں پانچ سال تک کے تقریباً 24 لاکھ بچوں کو پولیو کے قطرے پلائے جانے تھے۔ڈاکٹر شاہجہاں کا کہنا ہے کہ صرف کوئٹہ میں اس مہم کے دوران چار لاکھ بچوں کو پولیو کے قطرے پلائے جانے تھے۔ان کے مطابق اب اس مہم کا آغاز اپریل کے پہلے ہفتے میں کیا جائے گا۔

(نامہ نگار)

انسداد پولیو مہم کی ٹیم پر فائرنگ کے سے ایک رضا کار ہلاک اور دو زخمی

پشاور 18 مارچ کو پاکستان کے افغان سرحد کے ساتھ واقع قبائلی علاقے باجوڑ ایجنسی میں انسداد پولیو مہم کی ٹیم پر فائرنگ سے ایک رضا کار ہلاک اور دو زخمی ہو گئے۔ باجوڑ ایجنسی کی تحصیل ناواگئی کے علاقے کمانگرہ میں شدت پسندوں نے گھر گھر جا کر بچوں کو ویکسین پلانے والی ٹیم پر فائرنگ کی۔ فائرنگ کے نتیجے میں ایک رضا کار موقع پر دم توڑ گیا جبکہ دو زخمی ہوئے۔ زخمیوں کو فوری طبی امداد کیلیے اسپتال منتقل کیا گیا۔سیکورٹی فورسز نے واقعہ کے بعد موقع پر پہنچ کر علاقے کو گھیرے میں لے لیا۔یاد رہے کہ گزشتہ روز خیبر پختونخوا کے شہر مانسہرہ میں انسداد پولیو مہم کے دوران فائرنگ سے 3 رضا کار ہلاک ہوئے تھے۔ ہلاک ہونے والوں میں 2 خواتین اور ایک پولیس اہلکار شامل تھا۔واضح رہے کہ افغانستان اور نائجیریا کے ہمراہ پاکستان ان تین ممالک میں شامل ہے جہاں ابھی تک پولیو جیسے موذی مرض کا خاتمہ نہیں ہو سکا۔سال 2000ء میں پاکستان نے ملک سے پولیو کے خاتمے کا عزم کیا اور انسدادِ پولیو مہم کے باعث 2005ء میں پولیو کے محض 28 کیسز رپورٹ ہوئے، تاہم 2008 کے بعد ملک میں پولیو کی شرح بڑھتی چلی گئی اور 2014ء میں پولیو کے 210 سے زائد کیسز ریکارڈ کیے گئے، جو پوری دنیا میں ریکارڈ کیے جانے والے پولیو کیسز کا اسّی فیصد ہیں۔ عالمی ادارہ صحت کا کہنا ہے کہ پاکستان میں پایا جانے والا پولیو وائرس دنیا کے پانچ ممالک کو متاثر کر چکا ہے اور یہ دیگر ممالک کے لیے بھی خطرے کا نشان ہے۔خیال رہے کہ پولیو کے بڑھتے ہوئے کیسز اور صورتحال کے پیشِ نظر گزشتہ برس مئی میں عالمی ادارہ صحت نے پاکستان سے بیرون ممالک جانے والے مسافروں پر پولیو ویکسین کا سرٹیفکیٹ پیش کرنے کی پابندی عائد کر دی تھی۔کالعدم تحریک طالبان کی جانب سے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں انسدادِ پولیو مہم میں حصہ لینے والے رضا کاروں کو دھمکیاں دینے کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ طالبان کا مؤقف ہے کہ پولیو مہم اسلامی نظام کے خلاف ہے، لہٰذا جو بھی اس مہم کا حصہ بنے گا، اسے نشانہ بنایا جائے گا۔ (نامہ نگار)

اقلیتیں

بلوچستان میں 35 گرجا گھر حساس قرار

کوئٹہ حکومت بلوچستان نے صوبے میں موجود گرجا گھروں کو حساس قرار دے دیا ہے۔ خیال رہے کہ اس سے پہلے 15 مارچ لاہور کے دو گرجا گھروں پر خودکش حملوں کے نتیجے متعدد افراد ہلاک اور زخمی ہو گئے تھے۔ تاہم اب انتظامیہ نے صورت حال پر قابو پا لیا ہے۔ محکمہ داخلہ کے ذرائع کے مطابق بلوچستان میں گرجا گھروں کی تعداد ساٹھ ہے جن میں پینتیس کو حساس قرار دے دیا گیا ہے۔ ذرائع کے مطابق گرجا گھروں کے سامنے حفاظتی انتظامات سخت کر دیے گیے ہیں جبکہ اقلیتی عبادت گاہوں کے سامنے پولیس اہلکار بھی تعینات کر دیے گیے ہیں۔ ذرائع کے مطابق مندروں کی سکیورٹی بھی بڑھا دی گئی ہے جن کی تعداد صوبے میں 76 ہے جن میں سے سولہ انتہائی حساس جبکہ انتالیس کو حساس قرار دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ عیسائی پاکستان کی 18 کروڑ کی آبادی کا تقریباً دو فیصد ہیں، جنھیں گزشتہ سالوں کے دوران توہین رسالت یا دیگر الزامات کے تحت نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ (نامہ نگار)

سانحہ لاہور کے خلاف مسیحی برادری کا احتجاج

اٹک سانحہ لاہور کے خلاف اٹک کی مسیحی برادری نے 17 مارچ کو احتجاجی ریلی کا انعقاد کیا۔ ریلی کی قیادت پادری جاوید جانسن، پادری اکرم جاوید گل، پادری حامد رضا اور پادری لال دین نے کی۔ ریلی یو پی چرچ سے نکالی گئی۔ احتجاجی ریلی میں ہیومن رائٹس اٹک سیوودی یوتھ آف پاکستان کی ڈائریکٹر شیریں اسلم، ایوب مٹو، شہزاد سلیم ممبر پی ٹی آئی کے علاوہ مسیحی برادری کی کثیر تعداد موجود تھی اس موقع پہ پولیس نے سخت حفاظتی اقدامات کر رکھے تھے۔ قبل ازیں یو پی چرچ میں سانحہ لاہور میں جاں بحق ہونے والے افراد کے لیے دعائیہ تقریب منعقد کی گئی۔ اس موقع پر پادری جاوید جانسن اور اکرم جاوید گل نے مسیح برادری سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم کسی عدالت یا حکمران کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ ہم خداوند کے کلام کی طرف دیکھ رہے ہیں کیوں کہ یہ کلام ہمیں محبت، بھائی چارہ رواداری قائم کرنے کا درس دیتا ہے۔ مسیحی برادری پاکستان میں امن وسلامتی کی دعا کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو لوگ اس سانحہ میں شہید ہوئے ہیں وہ بلند مقام پر پہنچ گئے ہیں، کیونکہ انہیں دہشت گردی کے ذریعے شہید کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ آج پاکستان میں مسلمان، عیسائی، ہندو، سکھ اور دوسرے مذاہب کے ماننے والے اپنی عبادت پولیس کی حفاظت کے بغیر نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا کہ سولہ دسمبر کے واقعہ کے بعد تمام مسیحی برادری نے چرچوں پر پچیس دسمبر کو چراغاں نہیں کیا کیوں کہ ملک کی فضاء مسلسل سوگوار ہے۔ ہم ان خاندانوں کے لیئے دعاء گو ہیں جن کے پیارے ان سے بچھڑ گئے اور زخمیوں کے لیے دعا کرتے ہیں کہ خداوند انہیں جلد صحت یاب کرے۔ پادریوں نے کہا کہ ہمیں سڑکوں پہ آنے کا شوق نہیں مگر ایسے واقعات ہمیں سڑکوں پر آنے پر مجبور کرتے ہیں۔ لیکن ہم پھر بھی پرامن ہیں اور امن کا درس دیتے ہیں اور پاکستان کی سلامتی کے لیئے دعاء گو ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دہشت گرد اس ملک کو تباہ کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ اپنے مذموم عزائم میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بعدازاں یو پی چرچ سے ایک احتجاجی ریلی نکالی گئی جس میں مسیحی برادری کے مرد وخواتین اور بچوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ ریلی کے شرکاء نے بینرز اور پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے جن پر سانحہ لاہور کی مذمت میں نعرے درج تھے۔ ریلی یو پی چرچ سے نکلی اور بس اسٹینڈ تک پہنچ کر پرامن طور پر اختتام پذیر ہو گئی۔

(راشد علی)

30 سالہ احمدی شخص قتل

کراچی 21 مارچ کو کراچی کے علاقے ملیر میں 30 سالہ نوجوان احمدی نعمان نجم کو نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ تفصیلات کے مطابق نعمان نجم ملیر میں اپنی کمپیوٹر ہارڈ ویئر کی دکان پر موجود تھے کہ دو نامعلوم افراد نے ان پر فائرنگ کر دی۔ فائرنگ کے نتیجے میں انہیں پانچ گولیاں لگیں۔ انہیں فوری طور پر ہسپتال لے جایا گیا مگر وہ جانبر نہ ہو سکے۔ ان کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی اور محض احمدی ہونے کی بنا پر ان کی ٹارگٹ کلنگ کی گئی۔ گزشتہ سال 11 احمدیوں کو عقیدہ کے اختلاف کی بنا پر قتل کیا گیا۔ ترجمان نے کہا کہ یہ قربانیاں ہمارے حوصلوں کو بلند کرنے والی ہیں۔ دشمن دہشت گردی کر کے ہمیں خوفزدہ نہیں کر سکتا نہ ہی ظلم وستم کے یہ افسوسناک واقعات احمدی برادری کے پایہ استقلال میں لغزش پیدا کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مخالفین کثیر تعداد میں ایسا نفرت انگیز لٹریچر شائع کر کے عوام میں تقسیم کر رہے ہیں جس میں احمدیوں کے بائیکاٹ سے لے کر انہیں قتل کرنے تک کی ترغیب دی جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ 1984ء کے امتیازی قوانین کے نفاذ کے بعد سے اب تک 250 افراد کو احمدی ہونے کی بنا پر موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ سفاک قاتلوں کو گرفتار کر کے قانون کے مطابق سزا دی جائے۔ (سلیم الدین)

سکول ٹیچر کو بازیاب کرایا جائے

حیدرآباد 13 مارچ کو پٹارو ضلع جامشورو کی مسیحی برادری نے نوجوان لڑکی کے اغواء خلاف حیدرآباد پریس کلب کے سامنے مظاہرہ کیا۔ لڑکی کی والدہ ثریا مسیح نے بتایا کہ ان کی بائیس سالہ بیٹی رضیہ مسیح علاقے کے نجی سکول میں بچوں کو پڑھاتی ہے اور وہ 7 مارچ کو صبح گھر سے کسی کام کے لیے نکلی تھی لیکن پھر واپس نہیں آئی۔ پولیس ابھی تک ان کی بیٹی کو بازیاب نہیں کرا سکی۔ انہوں نے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ ان کی بیٹی رضیہ مسیح کو بازیاب کرا کر انہیں انصاف فراہم کیا جائے۔

(لالہ عبدالحلیم)

ہندو شخص کو اغواء کر لیا گیا

قلات صوبہ بلوچستان کے ضلع قلات میں اغواء برائے تاوان اور دیگر جرائم روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں، خاص طور پر ہندو اقلیتوں کے افراد کو اغواء کیا جاتا ہے اور اغواء کار بھاری تاوان لینے کے بعد چھوڑ دیتے ہیں۔ 16 مارچ کو ایک ہندو شخص سرجیت کمار اور اس کا ساتھی موٹر سائیکل پر شہر سے واپس گھر آ رہے تھے کہ راستے میں دو گاڑیوں میں سوار مسلح افراد نے انہیں روک کر موٹر سائیکل کے کاغذات چیک کرنے کے بعد دونوں کو زبردستی گاڑی میں بٹھا کر لے گئے جبکہ راستے میں اس کے ساتھی کو چھوڑ دیا اور سرجیت کمار کو اپنے ساتھ لے گئے۔ کور گروپ کی ٹیم نے ہندو کمیونٹی کے ساتھ ملاقات کی تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے سٹی تھانہ قلات میں نامعلوم افراد کے خلاف مقدمہ درج کروایا اور تھانے کے سامنے دھرنا دیا۔ پولیس نے یقین دہانی کرائی کہ مغوی کی بازیابی کے لیے اقدامات کئے جائیں گے۔

(محمد علی)

خودکشی کے واقعات

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہدحق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی گئی رپورٹوں کے مطابق 25 فروری سے 25 مارچ تک کے دوران ملک بھر میں 129 افراد نے خودکشی کر لی۔ خودکشی کرنے والوں میں 35 خواتین شامل تھیں۔ اعداد وشمار کے مطابق خودکشی کرنے والوں میں 73 افراد نے گھریلو جھگڑوں ومسائل سے تنگ آ کر اور 17 نے معاشی تنگدستی سے مجبور ہوکر خودکشی کر لی۔ خودکشی کے واقعات میں 34 نے زہر کھا/پی کر، 39 نے خود کو گولی مار کر اور 33 نے گلے میں پھندا ڈال کر جان دے دی۔ خودکشی کے 129 واقعات میں سے صرف 24 واقعات کی ایف آئی آر درج ہوئی۔

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
25فروری	ناصرحسین	مرد	25برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	-	حیدرآباد	-	روزنامہ نوائے وقت
25فروری	محمد پرویز	مرد	-	-	-	-	نہر میں کود کر	ہڑپہ	-	روزنامہ ایکسپریس
25فروری	مظہراقبال	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	دیووال، بھلوال	-	روزنامہ جنگ
25فروری	شوکت علی	مرد	-	-	-	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندا ڈال کر	منگلہ روڈ، دینہ	-	روزنامہ جنگ
25فروری	مدثر	مرد	28برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	کچھی فتومنڈ، گوجرانوالا	-	روزنامہ نوائے وقت
26فروری	احمدالدین	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	خضدار	درج	روزنامہ انتخاب
27فروری	شہباز	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو آگ لگا کر	بولان	درج	روزنامہ انتخاب
27فروری	عمران خان	مرد	34برس	-	-	-	تیز دھار آلہ	پرانا حاجی کیمپ، کراچی	-	روزنامہ جنگ
28فروری	عمارہ بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	زہرخورانی	حدوکی، مریدکے	-	روزنامہ ایکسپریس
28فروری	فرحان خان	مرد	36برس	-	-	گھریلو جھگڑا	-	ملیر، کراچی	-	روزنامہ امت
28فروری	عبدالوحید	مرد	50برس	-	-	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	شاہدرہ، لاہور	-	روزنامہ ایکسپریس
یکم مارچ	محمد طارق	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بہادرنگرفارم، اوکاڑہ	-	روزنامہ ایکسپریس
یکم مارچ	کشور	خاتون	17برس	-	غیرشادی شدہ	-	پھندا ڈال کر	چک 19 آر ایچ، کلورکوٹ	درج	روزنامہ نئی بات
یکم مارچ	رتنا کولہی	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	جام نوازعلی، ضلع سانگھڑ	درج	روزنامہ کاوش
یکم مارچ	ماروی کولہی	خاتون	25برس	-	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندا ڈال کر	گوٹھ عزیزاللہ، ماتلی ضلع بدین	درج	روزنامہ کاوش
یکم مارچ	محمداعظم	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا ڈال کر	مومنی شاہ والا، حیدرآباد	-	روزنامہ جنگ
یکم مارچ	امین درس	مرد	28برس	-	-	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندا ڈال کر	گولارچی، ضلع بدین	-	روزنامہ کاوش
2مارچ	ماریت بھیل	خاتون	17برس	-	غیرشادی شدہ	ذہنی معذوری	کنویں میں کود کر	اسلام کوٹ، ضلع تھرپارکر	-	روزنامہ کاوش
2مارچ	محمد آصف اعوان	مرد	22برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	ضلع نواب شاہ	درج	روزنامہ کاوش
مارچ	جہانگیرخان	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک یعقوبی، صوابی	درج	روزنامہ ایکسپریس
4مارچ	دلاور	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	تھانہ ہٹالا کالونی، فیصل آباد	-	روزنامہ نئی بات
4مارچ	-	مرد	17برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	علی احمد شاہ کالونی، قصور	-	روزنامہ ایکسپریس
4مارچ	نجمہ بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گاؤں بکھے ہٹھاڑ، قصور	-	روزنامہ نوائے وقت
4مارچ	اسلم قریشی	مرد	30برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	موچی محلّہ، بھوآنہ	-	روزنامہ جنگ
4مارچ	وحیدشاہ	مرد	-	-	شاید شدہ	-	خود کو گولی مار کر	ڈاکٹر بانو روڈ، کوئٹہ	درج	روزنامہ انتخاب
4مارچ	-	مرد	25برس	-	-	-	نہر میں کود کر	باقر موری ۔شہداپور ضلع سانگھڑ	-	روزنامہ کاوش
4مارچ	بیگم خاتون	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	داؤجہاں پور، ضلع جیکب آباد	-	روزنامہ کاوش
5مارچ	نسرین	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	سرحد کالونی، تخت بھائی، مردان	درج	روزنامہ ایکسپریس

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
5مارچ	سہیل	مرد	۔	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	نواں کوٹ، لاہور	۔	روزنامہ نئی بات
5مارچ	رحمت بی بی	خاتون	۔	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	گاؤں 14/27 ایل، چیچہ وطنی	۔	روزنامہ نئی بات
6مارچ	بابر یوسف	مرد	32برس	۔	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندا ڈال کر	نواں کوٹ، لاہور	۔	روزنامہ جنگ
6مارچ	عاصمہ اصغر	خاتون	۔	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	رشید ٹاؤن، مانگا منڈی	۔	روزنامہ جنگ
6مارچ	مقصود	مرد	30برس	۔	۔	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	نارتھ ناظم آباد، کراچی	۔	روزنامہ جنگ
6مارچ	نادر علی	مرد	16برس	۔	۔	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	سیٹھارجہ ضلع خیرپور	۔	روزنامہ کاوش
6مارچ	وہاب مگسی	مرد	25برس	۔	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا ڈال کر	ضلع لاڑکانہ	۔	روزنامہ کاوش
7مارچ	اللہ دتہ	مرد	۔	۔	غیرشادی شدہ	۔	خود کو گولی مار کر	250رب، ٹھیکری والا، فیصل آباد	۔	روزنامہ نئی بات
7مارچ	حکموں ٹھاکر	مرد	55برس	۔	شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندا ڈال کر	نگرپارکر ضلع تھرپارکر	۔	روزنامہ کاوش
7مارچ	ح	خاتون	۔	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	رئیسانی محلّہ، کوئٹہ	درج	روزنامہ انتخاب
7مارچ	عاصمہ	خاتون	25برس	۔	۔	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	اورنگی، کراچی	۔	روزنامہ ایکسپریس
7مارچ	بابر	مرد	25برس	۔	۔	۔	پھندا ڈال کر	گبول ٹاؤن، کراچی	۔	روزنامہ ایکسپریس
7مارچ	ش	خاتون	20برس	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	سعید آباد، چارسدہ	درج	روزنامہ ایکسپریس
7مارچ	اللہ دتہ	مرد	۔	۔	غیرشادی شدہ	۔	خود کو گولی مار کر	250رب، فیصل آباد	۔	روزنامہ جنگ
7مارچ	خالد	مرد	25برس	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	کوٹ سرور	۔	روزنامہ جنگ
7مارچ	رشید احمد	مرد	۔	۔	۔	ذہنی معذوری	۔	چک 96 ج ب، گوجرہ	۔	روزنامہ جنگ
7مارچ	ثانیہ	خاتون	20برس	۔	۔	۔	زہرخورانی	کوٹ عبدالمالک، فیروز والا	درج	روزنامہ جنگ
7مارچ	شہروز ذاکر	مرد	۔	۔	۔	۔	خود کو گولی مار کر	گجرات	۔	روزنامہ ڈان
8مارچ	مراد زرداری	مرد	45برس	۔	شادی شدہ	۔	پھندا ڈال کر	رادن، ضلع دادو	۔	روزنامہ کاوش
8مارچ	مرتضیٰ	مرد	22برس	۔	غیرشادی شدہ	۔	خود کو گولی مار کر	سجاول، ضلع ٹھٹھہ	۔	روزنامہ کاوش
8مارچ	شاہداللہ	مرد	۔	۔	غیرشادی شدہ	۔	پھندا ڈال کر	گاؤں گردکی، ٹانک	درج	روزنامہ ایکسپریس
8مارچ	قمر بی بی	خاتون	۔	۔	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	دریا میں کود کر	سرگودھا	۔	روزنامہ دنیا
9مارچ	محمد عمران	مرد	23برس	۔	غیرشادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	بھگوبستی، سمندری، فیصل آباد	۔	روزنامہ خبریں
9مارچ	حنیف	مرد	۔	۔	۔	۔	زہرخورانی	محلّہ دریاوالا، گوجرانوالا	۔	روزنامہ نیوز
9مارچ	عابدہ پروین	خاتون	۔	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چھب کلاں	۔	روزنامہ جنگ
9مارچ	ف	خاتون	۔	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	محلّہ محسن آباد، رحیم یار خان	۔	روزنامہ خبریں
9مارچ	عیسیٰ خان	مرد	20برس	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	گاؤں پلوسی مغذر زئی، پشاور	درج	روزنامہ ایکسپریس
9مارچ	س	خاتون	15برس	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	طور میرہ چوپالونہ، مردان	درج	روزنامہ آج
10مارچ	زبیر	مرد	۔	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	شیخ آباد، نوشہرہ کلاں	درج	روزنامہ آج
12مارچ	نوشین	خاتون	19برس	۔	غیرشادی شدہ	۔	نہر میں کود کر	اگوکی، سیالکوٹ	۔	روزنامہ خبریں
12مارچ	سونیا	خاتون	18برس	۔	غیرشادی شدہ	۔	خود کو گولی مار کر	نوشہرہ ورکاں، گوجرانوالہ	۔	روزنامہ جنگ
12مارچ	نازیہ	خاتون	۔	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوجرانوالہ	۔	روزنامہ جنگ
12مارچ	ندیم	مرد	۔	۔	۔	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	ٹوبہ ٹیک سنگھ	۔	روزنامہ نوائے وقت

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
12مارچ	وہاب خان	مرد	۔	۔	۔	۔	خودکوگولی مارکر	شاہ کس جمرود، خیبرایجنسی	درج	روزنامہ ایکسپریس
13مارچ	اللہ وسایا	مرد	۔	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گلستان جوہر، کراچی	۔	روزنامہ ایکسپریس
13مارچ	ابراہیم	مرد	۔	۔	شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	خودکوگولی مارکر	تنگی چارسدہ	درج	روزنامہ ایکسپریس
13مارچ	باسط	مرد	۔	۔	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	خودکوگول مارکر	مریدواں، فیصل آباد	۔	روزنامہ نوائے وقت
13مارچ	محمد ممتاز	مرد	45برس	۔	۔	۔	زہرخورانی	سمن آباد، فیصل آباد	۔	روزنامہ جنگ
13مارچ	سمیرہ	خاتون	18برس	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	دریامیں کودکر	موضع بھگل، سمبڑیال	۔	روزنامہ جنگ
13مارچ	صدام حسین	مرد	22برس	۔	غیرشادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	خودکوگولی مارکر	گاؤں عیبو باجوہ، نارووال	۔	روزنامہ جنگ
13مارچ	اللہ وسایا	مرد	۔	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کچی آبادی، کراچی	۔	روزنامہ دنیا
9مارچ	عرفان قائمخانی	مرد	22برس	۔	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	خودکوگولی مارکر	لطیف آباد نمبر11، ضلع حیدرآباد	۔	روزنامہ کاوش
10مارچ	باجھومیگھواڑ	خاتون	55برس	۔	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	۔	اسلام کوٹ ضلع تھرپارکر	۔	روزنامہ کاوش
11مارچ	حیدرنہڑیو	مرد	20برس	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	۔	ضلع بدین	۔	روزنامہ کاوش
12مارچ	جاوید لغاری	مرد	25برس	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	نصیرپور، ضلع ٹنڈوالہیار	۔	روزنامہ کاوش
14مارچ	شازیہ	خاتون	17برس	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	چک566 گ ب، فیصل آباد	۔	روزنامہ جنگ
14مارچ	غلام ربانی	مرد	50برس	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	سرفراز کالونی، جوہرآباد	۔	روزنامہ جنگ
14مارچ	اللہ رکھی	خاتون	20برس	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	57ای بی، عارف والا	۔	روزنامہ جنگ
14مارچ	نصراللہ	مرد	50برس	۔	شادی شدہ	۔	خودکوگولی مارکر	بھابھڑو، سرگودھا	۔	روزنامہ جنگ
14مارچ	اصغر	مرد	۔	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	۔	بڈھکے، مریدکے	۔	روزنامہ نئی بات
14مارچ	اسرار احمد	مرد	۔	۔	۔	گھریلو جھگڑا		گوٹھ داؤد خان قمبرانی، اوستہ محمد	۔	روزنامہ نئی بات
14مارچ	خرم شہزاد	مرد	24برس	۔	غیرشادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	خودکوگولی مارکر	راولپنڈی	۔	روزنامہ جنگ
15مارچ	سورجی کولہی	مرد	28برس	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	دبی شاخ۔ گولارچی ضلع بدین	۔	روزنامہ عوامی آواز
15مارچ	نورنبی	مرد	21برس	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کندہ کوٹ ضلع کشمور	۔	روزنامہ عوامی آواز
15مارچ	آسیہ بی بی	خاتون	۔	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	حویلی بہادرشاہ، شورکوٹ	۔	روزنامہ جنگ
15مارچ	وقاص احمد	مرد	۔	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بجلی محلّہ، حافظ آباد	۔	روزنامہ جنگ
15مارچ	محمد آصف	مرد	26برس	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	اوکاڑہ	۔	روزنامہ جنگ
15مارچ	عبداللہ	مرد	80برس	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ٹھیکری والا، فیصل آباد	۔	روزنامہ جنگ
16مارچ	رابعہ	خاتون	14برس	۔	۔	ذہنی معذوری	پھندا ڈال کر	کنری، ضلع عمرکوٹ	۔	عوامی آواز اخبار
16مارچ	محمد ابراہیم	مرد	45برس	۔	شادی شدہ	بیماری سے دلبرداشتہ ہوکر	خودکوگولی مارکر	نہوں کوٹ، ضلع میرپورخاص	۔	روزنامہ کاوش
17مارچ	جاوید	مرد	30برس	۔	شادی شدہ	۔	پھندا ڈال کر	سنٹرل جیل، گوجرانوالہ	۔	روزنامہ جنگ
17مارچ	شوجی کولہی	مرد	14برس	۔	۔	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	کنری، ضلع عمرکوٹ	۔	روزنامہ کاوش
17مارچ	امبرین شاہ	خاتون	22برس	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	برکت کالونی، ضلع ٹنڈوالہیار	۔	روزنامہ کاوش
17مارچ	اللہ بخش ملک	مرد	۔	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	جام نواز علی، ضلع سانگھڑ	۔	عوامی آواز اخبار
18مارچ	جاوید	مرد	30برس	۔	شادی شدہ	۔	پھندا ڈال کر	سنٹرل جیل، گوجرانوالہ	۔	روزنامہ جنگ
18مارچ	اللہ دتہ	مرد	۔	۔	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	خودکوآگ لگاکر	نعمت کالونی، فیصل آباد	۔	روزنامہ نوائے وقت

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	الیف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
19مارچ	وسیم شہزاد	مرد	۔	۔	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مارکر	55 شمالی، سرگودھا	۔	روزنامہ دنیا
19مارچ	محمد عمران	مرد	۔	۔	۔	بیماری سے دلبرداشتہ ہوکر	نہر میں کودکر	فیصل ٹاؤن، حافظ آباد	۔	روزنامہ جنگ
19مارچ	لیاقت مگسی	مرد	32برس	۔	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مارکر	بہرام، ضلع لاڑکانہ	۔	روزنامہ کاوش
20مارچ	عابد	مرد	28برس	۔	غیر شادی شدہ	۔	پھندا ڈال کر	غازی آباد، لاہور	۔	روزنامہ ایکسپریس
20مارچ	۔	مر	22برس	۔	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	باغبانپورہ، لاہور	۔	روزنامہ ایکسپریس
20مارچ	اسد چانڈیو	مرد	17برس	۔	۔	ذہنی معذوری	پھندا ڈال کر	غلام شاہ موری ضلع، حیدرآباد	۔	روزنامہ کاوش
20مارچ	فیض الرحمان	مرد	40برس	۔	شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	خودکو گولی مارکر	مہتر غونڈئی، تحت بھائی، مردان	درج	روزنامہ ایکسپریس
21مارچ	محمد پریل ملاح	مرد	50برس	۔	شادی شدہ	بیماری سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندا ڈال کر	ضلع دادو	۔	روزنامہ کاوش
21مارچ	عبیداللہ	مرد	۔	۔	غیر شادی شدہ	بیماری سے دلبرداشتہ ہوکر	خودکو گولی مارکر	نیوڈیفنس کالونی، ڈی آئی خان	درج	روزنامہ آج
21مارچ	ریحان	مرد	۔	۔	۔	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	جلال چیمہ کالونی، گجرات	۔	روزنامہ جنگ
21مارچ	جنید شاہ	مرد	۔	۔	۔	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	۔	امام شاہ، لالہ موسیٰ	۔	روزنامہ جنگ
22مارچ	شاہد	مرد	35برس	۔	۔	۔	نہر میں کودکر	کربلا روڈ، ساہیوال	۔	روزنامہ جنگ
22مارچ	شہزاد	مرد	21برس	۔	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	نہر میں کودکر	شہباب پورہ، سیالکوٹ	۔	روزنامہ جنگ
22مارچ	۔	مرد	۔	۔	۔	گرفتاری کے خوف سے	خودکو گولی مارکر	چوہنگ، لاہور	۔	روزنامہ نئی بات
22مارچ	حسنین حسین	مرد	۔	۔	شادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	خودکو گولی مارکر	ہزارہ ٹاؤن، کوئٹہ	درج	روزنامہ انتخاب
22مارچ	۔	مرد	۔	۔	۔	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	کورنگی، کراچی	۔	روزنامہ جنگ
23مارچ	حضرت علی	مرد	26برس	۔	غیر شادی شدہ	۔	زہر خورانی	گدا کوٹ، منگلور، سوات	درج	روزنامہ ایکسپریس
23مارچ	زبیر سہتو	مرد	25برس	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گوٹھ خیر محمد بوہو ضلع نوشہرو فیروز	۔	روزنامہ کاوش
23مارچ	ریاض گھوٹو	مرد	23برس	۔	غیر شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ ہوکر	خودکو گولی مارکر	گوٹھ سچل گھوٹو، ضلع گھوٹکی	۔	روزنامہ کاوش
23مارچ	صائمہ فرید	خاتون	28برس	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	ریشم گلی، ضلع حیدرآباد	درج	روزنامہ کاوش
23مارچ	اکرم عباسی	مرد	۔	۔	غیر شادی شدہ	رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے	خودکو گولی مارکر	ٹنڈو ٹوھورو، ضلع حیدرآباد	درج	روزنامہ کاوش
23مارچ	س	خاتون	20برس	۔	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گجرات	۔	روزنامہ جنگ
23مارچ	ساجد	مرد	25برس	۔	۔	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	کھوجیانوالی، گجرات	۔	روزنامہ جنگ
23مارچ	شوکت علی	مرد	۔	۔	۔	۔	ٹرین تلے کودکر	ریلوے سٹیشن، حیدرآباد	۔	روزنامہ دنیا
24مارچ	مسرت بی بی	خاتون	۔	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مارکر	چک 29A/4 ایل، اوکاڑہ	۔	روزنامہ نیوز
24مارچ	عمران	بچہ	۔	۔	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مارکر	چک 202 ج ب، بھوآنہ، فیصل آباد	۔	روزنامہ ایکسپریس
24مارچ	نور	مرد	۔	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مارکر	فرید ٹاؤن، ساہیوال	۔	روزنامہ جنگ
24مارچ	ثناء	خاتون	۔	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکو آگ لگا کر	محلہ بجلی گھر، ڈسکہ	۔	روزنامہ جنگ
24مارچ	مرواں میگھواڑ	خاتون	70برس	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	کنویں میں کودکر	چھاچھرو، ضلع عمرکوٹ	۔	روزنامہ کاوش
24مارچ	غلام حسین خاصخیلی	مرد	28برس	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مارکر	ضلع میرپور خاص	۔	روزنامہ کاوش
25مارچ	آمنہ پھوڑ	خاتون	22برس	۔	شادی شدہ	۔	خودکو گولی مارکر	گوٹھ سرائی نواز پھوڑ، جوہی، ضلع دادو	۔	روزنامہ عوامی آواز
25مارچ	عمران شاہ	مرد	24برس	۔	۔	۔	خودکو گولی مارکر	گوجرانوالا	۔	روزنامہ جنگ
25مارچ	سعید احمد	مرد	18برس	۔	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	درمان، ظفروال	۔	روزنامہ جنگ
25مارچ	شکیل	مرد	۔	۔	غیر شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	پھندا ڈال کر	محلہ راجپوتاں، ڈونگا بونگا، بہاولپور	۔	راولپنڈی نیوز

کاری، کارو کہا اور زندہ رہنے کا حق چھین لیا: مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور ''جہد حق'' کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق **24** فروری سے **24** مارچ تک **18** افراد پر کاروکاری کا الزام لگا کر قتل کر دیا گیا۔ جن میں **13** خواتین اور **5** مرد شامل ہیں۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	آلہ واردات	ملزم کا متاثرہ عورت / مرد سے تعلق	مقام	واقعہ کی بظاہر کوئی اور وجہ	ایف آئی آر درج / نہیں	ملزم گرفتار / نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن / اخبار
24فروری	تہمینہ عالمانی	خاتون	45برس	بیوہ	ریاض علی عالمانی	تیز دھار آلہ	قریبی رشتے دار	ٹھوڑھا جتوئی، موورو، نوشہرو فیروز، سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
25فروری	سرداراں رند	خاتون	-	شادی شدہ	بہادر رند	بندوق	کزن	گوٹھ پٹھان رند، اوباوڑو، گھوٹکی، سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
26فروری	ظہراں باجکانی	خاتون	20برس	شادی شدہ	امام بخش باجکانی	بندوق	دیور	گوٹھ کچی باجکانی، تنگوانی، کشمور، سندھ	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
28فروری	نوربانو جاکھرانی	خاتون	-	شادی شدہ	صدرالدین جکھرانی	بندوق	خاوند	گوٹھ بھائی خان جکھرانی، بخشاپور، کشمور، سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
04مارچ	شوکت علی آرائیں	مرد	45برس	شادی شدہ	شمینہ آرائیں	تیز دھار آلہ	بیوی	گوٹھ طارق آباد، دوڑ، نواب شاہ، سندھ	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
06مارچ	نادیہ بزدار	خاتون	-	-	نظام بوزدار	بندوق	بھائی	گوٹھ حاصل بوزدار، گھوٹکی، سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
07مارچ	فہمیدہ جاگیرانی	خاتون	-	شادی شدہ	آصف جاگیرانی	بندوق	خاوند	نزد قمبر، سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
14مارچ	شمشاد خاتون گبول	خاتون	-	شادی شدہ	فقیر محمد گبول	تیز دھار آلہ	خاوند	گوٹھ شکر بروہی ٹھل، جیکب آباد، سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
15مارچ	پرویز شیخ	مرد	30برس	شادی شدہ	-	بندوق	-	مدیجی، شکارپور، سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
15مارچ	نجمہ جتوئی	خاتون	20برس	شادی شدہ	دلیل عطرانی جتوئی	بندوق	دیور	رستم، شکارپور، سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
19مارچ	لکھو مارفانی	مرد	35برس	-	گل شیر علی شیر، گلاب	بندوق	-	گوٹھ رحمان مارفانی، ہمایوں، شکارپور، سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
19مارچ	شمع مارفانی	خاتون	25برس	شادی شدہ	گل شیر علی شیر، گلاب	بندوق	دیور	گوٹھ رحمان مارفانی، ہمایوں، شکارپور، سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
21مارچ	ماہ بی بی بروہی	خاتون	-	شادی شدہ	اسد بروہی	تیز دھار آلہ	خاوند	گوٹھ بکلو بروہی، ڈکھن، شکارپور، سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
21مارچ	میہر بروہی	مرد	-	-	اسد بروہی	تیز دھار آلہ	رشتے دار	گوٹھ بکلو بروہی، ڈکھن، شکارپور، سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
21مارچ	مسماۃ موراں شر	خاتون	-	شادی شدہ	علی گل شر	بندوق	خاوند	کچہ، کشمور، سندھ	-	-	-	روزنامہ کاوش
22مارچ	مسماۃ تاجل رند	خاتون	-	شادی شدہ	حبیب اللہ رند	تیز دھار آلہ	بھتیجا	لقمان محلہ خیر پور میرس، سندھ	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
22مارچ	قمرالدین رند	مرد	-	-	حبیب اللہ رند	تیز دھار آلہ	-	لقمان محلہ خیر پور میرس، سندھ	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
22مارچ	طاہرہ کھوسو	خاتون	-	شادی شدہ	وقار عمرانی	بندوق	خاوند	ڈنگر محلہ جیکب آباد، سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش

جنسی تشدد کے واقعات:

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہد حق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق 25 فروری سے 25 مارچ تک 70 افراد کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ جنسی زیادتی کا شکار ہونے والوں میں 52 خواتین شامل ہیں۔ 44 واقعات کے مقدمات درج کیے گئے اور 18 واقعات میں ملوث افراد گرفتار ہوئے۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت / مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج / نہیں	ملزم گرفتار / نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن / اخبار
25فروری	سلمان اسلم	مرد	15برس	غیر شادی شدہ	-	اہل علاقہ	شاہدرہ ٹاؤن، لاہور	درج	-	ایکسپریس
25فروری	-	بچی	7برس	غیر شادی شدہ	-	اہل علاقہ	فیصل آباد	درج	گرفتار	ایکسپریس ٹریبون
25فروری	-	بچی	13برس	غیر شادی شدہ	-	اہل علاقہ	چک 85 گ ب، فیصل آباد	درج	گرفتار	ایکسپریس ٹریبون
25فروری	فیضان	بچہ	4برس	غیر شادی شدہ	ذیشان	اہل علاقہ	255 رب، فیصل آباد	درج	گرفتار	نئی بات
25فروری	-	خاتون	-	غیر شادی شدہ	مختار، ذوالفقار	اہل علاقہ	موضع دھوبی کھچی، صدر گوگیرہ	درج	-	ایکسپریس
26فروری	-	خاتون	-	-	فیضان	اہل علاقہ	محمد پورہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ	-	-	ایکسپریس ٹریبون
26فروری	-	خاتون	-	غیر شادی شدہ	محمد پرویز	اہل علاقہ	چک 85/6 گلبرگ ٹاؤن، ساہیوال	درج	-	ایکسپریس
27فروری	-	بچی	5برس	غیر شادی شدہ	-	اہل علاقہ	امین پورہ، رائیونڈ	-	-	ایکسپریس
27فروری	-	بچی	-	غیر شادی شدہ	ناصر علی	اہل علاقہ	ملکوئی کھوئی، بھوآنہ	-	-	ایکسپریس
27فروری	-	خاتون	-	شادی شدہ	واجد حسین	اہل علاقہ	محمد پورہ، گلگو منڈی	درج	-	ایکسپریس
28فروری	-	بچی	8برس	غیر شادی شدہ	راشد علی	اہل علاقہ	کھاریاں والا، جھبراں	درج	گرفتار	نوائے وقت
28فروری	ن	خاتون	-	-	-	اہل علاقہ	عارف والا	درج	گرفتار	ڈان
28فروری	س	بچی	8برس	غیر شادی شدہ	محمد ارشد	اہل علاقہ	اکوڑہ خٹک، نوشہرہ	درج	گرفتار	ایکسپریس ٹریبون
یکم مارچ	ص	خاتون	-	-	-	-	گوٹھ ولی محمد، گھونکی، سندھ	-	-	روزنامہ کاوش
3مارچ	الف	بچی	-	غیر شادی شدہ	علی رضا	اہل علاقہ	کوٹ مظفر، شرقپور	درج	گرفتار	جنگ
3مارچ	زمان حیدر	بچہ	11برس	غیر شادی شدہ	شہباز	اہل علاقہ	ڈھاکے، شیخوپورہ	درج	گرفتار	جنگ
3مارچ	-	خاتون	-	غیر شادی شدہ	اعجاز	اہل علاقہ	پرانی سبزی منڈی، قصور	درج	گرفتار	جنگ
3مارچ	-	خاتون	-	غیر شادی شدہ	مجاہد	اہل علاقہ	ساہیوال	درج	-	ایکسپریس
3مارچ	-	بچی	6برس	غیر شادی شدہ	سلمان	اہل علاقہ	موضع عیدل، ساہیوال	درج	-	ایکسپریس
3مارچ	س	خاتون	-	شادی شدہ	سکندر	اہل علاقہ	سیالکوٹ روڈ، گوجرانوالہ	درج	گرفتار	ایکسپریس
3مارچ	ابوبکر	بچہ	9برس	غیر شادی شدہ	-	اہل علاقہ	پھولنگر، قصور	-	-	نوائے وقت
3مارچ	-	بچی	13برس	غیر شادی شدہ	عمران، اصغر	اہل علاقہ	چک 273 ای بی، بورے والا	درج	-	ایکسپریس

تاریخ	نام	جنس	عمر	ملزم کا نام	ازدواجی حیثیت	ملزم کا متاثرہ عورت / مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج / نہیں	ملزم گرفتار / نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن / اخبار
3مارچ	۔	خاتون	۔	ذوالفقار، مختار	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	چک دھوبی کچی، اختر آباد	درج	۔	ایکسپریس
3مارچ	۔	خاتون	۔	اعجاز	شادی شدہ	اہل علاقہ	گاؤں 13 کے بی، پاکپتن	درج	۔	ایکسپریس
3مارچ	۔	بچہ	9برس	۔	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	بھائی پھیرو	درج	۔	ایکسپریس
4مارچ	ز	خاتون	۔	جنید	شادی شدہ	بہنوئی	محلّہ نوگزئی، مانسہرہ	درج	گرفتار	ایکسپریس ٹریبون
4مارچ	وقار گوگانی	بچہ	12برس	اصغر بروہی	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	گوٹھ مختیار گوگانی، وارہ، قمبر، سندھ	درج	۔	روزنامہ کاوش
5مارچ	س	بچی	۔	ذوالفقار	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	جمشید کلاں، قصور	درج	۔	ایکسپریس
6مارچ	عبدالقیوم	بچہ	۔	عثمان، رضا	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	بستی قادر آباد، قصور	درج	۔	ایکسپریس
6مارچ	بلال	بچہ	۔	ارسلان	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	ڈیفنس ویو کالونی، فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
10مارچ	غلام قادر	بچہ	۔	اویس	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	کاہنہ، لاہور	درج	گرفتار	نوائے وقت
10مارچ	۔	خاتون	۔	وسیم	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	محلّہ منصور آباد، پاکپتن	درج	۔	ایکسپریس
11مارچ	۔	خاتون	۔	منصب دار	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	ساہیوال	درج	گرفتار	نئی بات
11مارچ	ر	خاتون	۔	بلال	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	گلفشاں ٹاؤن، کوٹ عبدالمالک	درج	۔	نوائے وقت
12مارچ	ک	خاتون	۔	شفیق	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	گاؤں اولکھ، قصور	۔	۔	دنیا
12مارچ	ن	بچی	۔	ارشد	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	کوٹ حلیم خان، قصور	درج	گرفتار	نوائے وقت
13مارچ	م	خاتون	۔	ذیشان	غیر شادی شدہ	کزن	وریال چھٹہ، گوجرانوالہ	۔	۔	نوائے وقت
13مارچ	س	خاتون	۔	فلک شیر	۔	۔	چک 214 رب، فیصل آباد	درج	۔	نوائے وقت
13مارچ	ک	خاتون	۔	امین	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	45 ڈی، بصیر پور، اوکاڑہ	۔	۔	نوائے وقت
13مارچ	ش	خاتون	۔	سیف اللہ	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	پاکپتن	۔	۔	نوائے وقت
13مارچ	ی	خاتون	۔	یاسین، عرس لاشاری	۔	اہل علاقہ	ٹھل، جیکب آباد، سندھ	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
15مارچ	ش	خاتون	۔	علی حسن	شادی شدہ	اہل علاقہ	گجومتہ، کاہنہ، لاہور	درج	۔	روزنامہ خبریں
15مارچ	س	خاتون	17برس	عبدالخالق جوگی	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	ٹھری میرواہ، خیر پور میرس	درج	۔	روزنامہ کاوش
15مارچ	۔	بچہ	۔	ضیاء سلطان	غیر شادی شدہ	اہل علاقہ	محلّہ جنڈیالہ روڈ، شیخوپورہ	درج	گرفتار	روزنامہ خبریں
15مارچ	ک	خاتون	۔	چوہدری عبدالرزاق	شادی شدہ	اہل علاقہ	یوسف والا، ننکانہ صاحب	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
17مارچ	ش	خاتون	۔	چوہدری عبدالرزاق	شادی شدہ	اہل علاقہ	یوسف والا، ننکانہ صاحب	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت / مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج / نہیں	ملزم گرفتار / نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
17مارچ	۔	بچہ	5برس	غیر شادی شدہ	ذیشان	اہل علاقہ	فیصل آباد	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
17مارچ	عثمان	بچہ	۔	غیر شادی شدہ	بلال	اہل علاقہ	بلاک 13، سرگودھا	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
17مارچ	ش	خاتون	۔	شادی شدہ	چوہدری عبدالرزاق	اہل علاقہ	یوسف والا، ننکانہ صاحب	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
17مارچ	۔	بچہ	5برس	غیر شادی شدہ	ذیشان	اہل علاقہ	فیصل آباد	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
17مارچ	عثمان	بچہ	۔	غیر شادی شدہ	بلال	اہل علاقہ	بلاک 13، سرگودھا	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
17مارچ	ث	بچی	13برس	غیر شادی شدہ	سہیل، نواز	اہل علاقہ	مومن پور بھٹیاں، کامونکی	درج	۔	روزنامہ خبریں
18مارچ	ن	خاتون	۔	شادی شدہ	رانا نوید	اہل علاقہ	رحیم یار خان	درج	۔	روزنامہ نوائے وقت
19مارچ	۔	خاتون	۔	۔	۔	۔	لاہور	درج	۔	روزنامہ نیشن
19مارچ	ح	بچی	7برس	غیر شادی شدہ	صدام حسین	کزن	یوسف والا، سانگلہ ہل	درج	گرفتار	روزنامہ خبریں
19مارچ	۔	بچہ	8برس	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	گوجرانوالا	درج	۔	پاکستان ٹائمز
19مارچ	ح	بچہ	7برس	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	اقبال ٹاؤن، جھنگ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
19مارچ	۔	خاتون	۔	۔	عنصر عباس	اہل علاقہ	جھنگ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
19مارچ	ع	بچی	11برس	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	گوٹھ جادو، کلہوڑو، شکارپور، سندھ	درج	۔	روزنامہ کاوش
21مارچ	بلال	بچہ	8برس	غیر شادی شدہ	فراست، ریاست، عمران	اہل علاقہ	گاؤں سمرا، حافظ آباد	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
21مارچ	ع ب	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	توقیر	اہل علاقہ	قصبہ غلام والا، ساہیوال	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
21مارچ	۔	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	احتشام	اہل علاقہ	ملکوال	درج	۔	روزنامہ نیوز
21مارچ	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	ساجد علی	اہل علاقہ	پاپڑیاں والا، ملکوال	درج	۔	روزنامہ نیوز
23مارچ	ن	خاتون	۔	شادی شدہ	مصطفیٰ	اہل علاقہ	محبوب ٹاؤن، اوکاڑہ	۔	۔	روزنامہ ایکسپریس
23مارچ	ارسلان	بچہ	4برس	غیر شادی شدہ	قربان علی	اہل علاقہ	ٹال پلازہ، فیروز وٹواں	۔	۔	روزنامہ ایکسپریس
23مارچ	عادل	بچہ	6برس	غیر شادی شدہ	عبداللہ	اہل علاقہ	کوٹ خادم علی شاہ، اوکاڑہ	۔	۔	روزنامہ ایکسپریس
23مارچ	ص	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	70 ج ب، فیصل آباد	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
23مارچ	۔	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	نور محمد	باپ	گجومتہ، کاہنہ، لاہور	درج	۔	روزنامہ دنیا
24مارچ	ع	بچی	4برس	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	محلّہ سرکی، قصور	۔	۔	روزنامہ نیشن
24مارچ	عبدالرحمان	بچہ	9برس	غیر شادی شدہ	ارباز	اہل علاقہ	255 ای بی، گلو منڈی	درج	گرفتار	روزنامہ خبریں

نصاب میں دی گئی غلط معلومات

نمبر شمار	صفحہ	سطر	حوالہ	تجاویز
			جنرل نالج درجہ اول پہلا ایڈیشن۔ مارچ 2013ء ناشر: اردو بک سٹال، لاہور	
1	85		یونٹ 24 مقدس کتابیں۔ وہ پیغمبر جن پر مقدس کتابیں نازل ہوئیں۔ زبور: حضرت داؤدؑ تورات: حضرت موسیٰؑ انجیل: حضرت عیسیٰؑ قرآن پاک: حضرت محمدؐ	نوٹ: مقدس کتابوں کے نزول کی ترتیب ہونی چاہئے۔ مقدس انجیل قدیم عہد نامے اور جدید عہد نامے پر مشتمل ہے۔ تورات اور زبور قدیم عہد نامے پر مشتمل ہیں جبکہ مقدس انجیل جدید عہد نامے پر مشتمل ہے یونٹ کا عنوان ''سامی مذاہب کی مقدس کتابیں'' ہونا چاہئے کیونکہ اس میں صرف یہودیوں، مسیحیوں اور مسلمانوں کی مقدس کتاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ مواد امتیاز پر مبنی ہے کیونکہ ایسے طالب علم بھی ہیں جو ان میں سے کسی مذہب کے پیروکار نہیں ہیں اور ان کی اپنی مقدس کتابیں ہیں۔ کسی بھی مذہب کی تعلیمات کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے پر مسلط کرنا آئینِ پاکستان کے آرٹیکل (1)22 کی بھی خلاف ورزی ہے۔
5	22	2-4	تاریخ درجہ ہشتم پہلا ایڈیشن۔ کوڈ 521 ناشر نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد باب نمبر 2 سرسید احمد خان اور تحریک علی گڑھ 1921ء میں ایم اے او کالج کو علی گڑھ یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا۔	1920 میں ایم اے او کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تبدیل ہو چکا تھا۔
			معاشرتی علوم جماعت چہارم کوڈ۔ STE 442 ناشر: نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد	
1	24	7-8	باب نمبر 4 حکومت: ہم اپنا نظم و نسق اس طرح چلاتے ہیں۔ اقلیتیں بھی اپنے نمائندے منتخب کرتی ہیں	اقلیتوں کے نمائندے منتخب اسمبلیوں کے اراکین بالواسطہ منتخب کرتے ہیں۔
			معاشرتی علوم 4 تاریخ اشاعت۔ جنوری 2014 پہلا ایڈیشن ناشر: گوہر پبلشر، 11۔ اردو بازار لاہور	

1	25	14	باب نمبر2 تاریخ: ہم کون تھے پاک بھارت	برطانوی نوآبادی ہندوستان
			معاشرتی علوم۔5 تاریخ اشاعت: مارچ2013ء۔ پہلا ایڈیشن ناشر، گوہر پبلشر، 11۔اردو بازار لاہور	
1	53	6-11	باب نمبر4: تاریخ انڈین نیشنل کانگریس کا قیام (1885) 1885ء میں ایک برطانوی اے او ہیوم نے انڈیشن نیشنل کانگریس کے نام سے ایک سیاسی جماعت کی مدد سے کافی شہرت حاصل کی۔ کئی نامور ہندو قائدین نے اس جماعت میں شمولیت اختیار کی۔ چند سالوں کے اندر یہ جماعت مکمل طور پر ہندوؤں کی جماعت بن کر رہ گئی۔	انڈین نیشنل کانگریس کا قیام (1885) 28 دسمبر 1885 کو ایک برطانوی جناب اے او ہوم نے انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی۔ نوٹ: اس معتصب متن کو خارج کیا جانا چاہئے کیونکہ 1887 سے 1946 کے دوران کئی نامور مسلمان قائدین انڈین کانگریس کے صدر بنتے رہے ہیں۔ 1۔ بدرالدین طیب جی کو 1887ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے مدارس میں ہونے والے اجلاس میں صدر منتخب کیا گیا۔ 2۔ رحمت اللہ ایم سیوانی 1896ء میں کانگریس کے کلکتہ میں ہونے والے اجلاس میں صدر بنے۔ 3۔ نواب سید محمد بہادر کو 1913ء کو کانگریس کے کراچی میں ہونے والے اجلاس میں صدر چنا گیا۔ 4۔ سید حسن امان کو 1918ء میں کانگریس کے ممبئی میں ہونے والے اجلاس میں صدر منتخب کیا گیا۔ 5۔ حکیم اجمل خان کو 1921 میں کانگریس کے احمد آباد میں ہونے والے اجلاس میں صدر منتخب کیا گیا۔ 6۔ مولانا محمد علی جوہر کو 1923ء میں کانگریس کے کوکناڑا میں ہونے والے اجلاس میں صدر منتخب کیا گیا۔ 7۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو 1923ء میں کانگریس کے دہلی میں ہونے والے خصوصی اجلاس میں صدر منتخب کیا گیا۔ 8۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری کو 1927ء میں کانگریس کے مدراس میں ہونے والے اجلاس میں صدر چنا گیا۔ 9۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو 1940ء میں کانگریس کے رام گڑھ میں ہونے والے اجلاس میں دوبارہ صدر منتخب کیا گیا۔ وہ 1946ء تک انڈین نیشنل کانگریس کے صدر رہے۔ وہ واحد شخص تھے جو آزادی سے پہلے طویل ترین مدت تک (7 سال) کانگریس کی صدارت کے عہدے پر فائز رہے۔ قائداعظم نے بھی قومی سیاست کا آغاز کانگریس کے رکن کی حیثیت سے کیا۔

2	61	26-27	1981ء میں صدر نے ایک اسلامی قومی اسمبلی تشکیل دی جو 1985ء تک قائم رہی۔	نوٹ: یہ جملہ نصابی کتب سے خارج کیا جانا چاہئے کیونکہ پاکستان کی تاریخ میں ایسی کوئی بھی اسمبلی وجود نہیں رکھتی تھی۔
			تاریخ 6 تاریخ اشاعت: جنوری 2014 پہلا ایڈیشن ناشر: کتابستان پبلشنگ کمپنی، 38۔اردو بازار لاہور	
2	11	12	712 سن عیسوی کے بعد سے ___ نے برصغیر پاک و ہند پر حکومت کی۔	نوٹ: اس بیان پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ مسلمان حکمرانوں نے ہندوستان میں حکومت کی تھی۔
4	22	12-13	باب نمبر 2۔ مغل سلطنت کا قیام برصغیر پاک و ہند	انڈیا
			تاریخ جماعت ہفتم کوڈ: STE-505 ناشر: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد	
7	30	2-3	باب نمبر 3 مغل سلطنت: سماجی و ثقافتی صورتحال۔ مغل حکمرانوں نے پاک و ہند پر حکومت کی جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کی اکثریت تھی جبکہ یہاں دیگر کئی برادریاں بھی آباد تھیں۔	مغل حکمرانوں نے ہندوستان پر حکومت کی جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی اور مسلمان سب سے بڑی اقلیت تھے۔اور دیگر مذاہب سے وابستہ آبادیاں بھی تھیں۔
			تاریخ درجہ ہشتم پہلا ایڈیشن۔کوڈ۔521 ناشر نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد	
6	22	8-11	باب نمبر 2 سر سید احمد خان اور تحریک علی گڑھ ان طلباء نے آگے چل کر پاک و ہند کی تحریک آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا۔	ان طلباء نے آگے چل کر ہندوستان کی تحریک آزادی اور تحریکِ قیام پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا۔
7	24	2-3	انہوں نے جو یونیورسٹی قائم کی وہ انڈیا کے نامور ترین اداروں میں سے ایک ہے۔	سر سید احمد خان کی وفات 1898ء میں ہوئی جبکہ ایم۔اے۔او کالج کو 1920ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہوا۔

9	36	2-16	باب نمبر3 برطانوی انڈیا میں سیاسی بیداری۔ انہوں نے انڈیشن نیشنل کانگریس میں شمولیت اختیار کی اور 1913ء میں اس کے صدر بنے اور ہندوؤں سے اختلافات کے باعث 1920ء میں اس سے علیحدہ ہو گئے۔ انڈین نیشنل کانگریس نے ہندو سیاستدانوں کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا انہیں ایک قومی جماعت ہونے کی حیثیت سے سیاسی تدابیر اور طاقت کا تجربہ ہوا۔ ہندوؤں کے ایک گروہ نے سوراج کے نام سے ایک تحریک شروع کی۔ اس نے برطانوی نظام تعلیم کی سخت مخالفت کی۔ بہت سے ہندوؤں نے مطالبہ کیا کہ انڈین قوم کو مذہب کے لحاظ سے خالصتاً ہندو ہونا چاہئے۔ اسی لئے انڈین نیشنل کانگریس انڈیا کی بجائے صرف ہندوؤں کی جماعت بن کر رہ گئی۔ دریں اثناء ہندوؤں کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو دیکھ کر مسلمان بھی خطرہ محسوس کرنے لگے۔ مسلمان ایک محدود وقت میں نمایاں مقام حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ وہ نہ صرف تعلیم بلکہ سیاسی طور پر بھی پسماندہ تھے۔ اردو ہندی تنازعے کے باعث پہلے ہی ہندوؤں اور مسلمانوں میں دوریاں بڑھ گئی تھیں۔ بالآخر مسلمانوں نے 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے ایک سیاسی محاذ قائم کیا۔	وہ 1913ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر بنے اور انہوں نے انڈین نیشنل کانگریس سے اختلافات کی بناء پر 1920ء میں اسے چھوڑ دیا۔ نوٹ: اس تعصب پر مبنی متن کو نصاب سے خارج کیا جانا چاہئے کیونکہ 1887ء سے 1946ء کے دوران کئی نامور مسلمان انڈین نیشنل کانگریس کے صدر رہے جن کی تفصیلات پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔ نوٹ 2: لفظ ''ہندو'' یا ''مسلم'' کی بجائے ''انڈین نیشنل کانگریس'' اور ''آل انڈیا مسلم لیگ'' لکھا جانا چاہئے۔
14	57	18	باب نمبر4: سیاسی تصفیے کی کوششیں ہندو کانگریس	انڈین نیشنل کانگریس
19 20 21	81 81 83	7 10 4-5	باب نمبر5: حصول پاکستان کی جدوجہد برصغیر برصغیر قائداعظم کے سیاسی کیریئر کا آغاز 1913ء سے ہوا جب انہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔	ہندوستان یا برطانوی ہند ہندوستان یا برطانوی ہند قائداعظم کے سیاسی کیریئر کا آغاز 1906ء میں ہوا جب وہ انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے۔ نوٹ: ساتویں جماعت کی تاریخ کی موجودہ نصابی کتب کے صفحہ نمبر 42، سطر 25-27 پر درست لکھا ہے کہ: ''انہوں نے 1906ء میں انڈین نیشنل کانگریس اور 1913ء میں آل انڈیا مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ وہ واحد لیڈر تھے جو دونوں جماعتوں کے رکن تھے''۔
1	64	24-25	انگریزی 5 تاریخ اشاعت: جنوری 2014ء یونٹ 8: بابائے قوم لیکن بعد ازاں انہیں پتا چلا کہ ہندو مسلمان کے ساتھ مخلص نہیں تھے۔ اس پر وہ افسردہ ہو گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں کے تسلط سے آزاد کرانے کا فیصلہ کیا۔ اسی لیے انہوں نے کانگریس کو چھوڑ دیا 1913ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔	قائداعظم 1906ء میں کانگریس میں شامل ہوئے۔ انہوں نے 1913ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور 1920ء تک انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ دونوں کے رکن رہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے آئینی حقوق کے تحفظ کے حوالے سے اختلافات کی بناء پر انہوں نے کانگریس کو چھوڑ دیا تھا۔

1	114	4-6	انگریزی7 تاریخ اشاعت: مارچ 2014ء، پہلا ایڈیشن مرتب کردہ: چودھری غلام رسول اینڈ سنز، اردو بازار لاہور سبق نمبر1، قائداعظم 23-22 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ نے ایک علیحدہ ریاست ''پاکستان'' قائم کرنے کے لیے لاہور میں ایک قرارداد منظور کی۔	23-22 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ نے مسلم اکثریتی خطوں میں دو خودمختار ریاستوں کے قیام کے لیے لاہور میں ایک قرارداد منظور کی لیکن بعدازاں 10 اپریل 1946ء کو اس قرارداد میں مسلم لیگ کے منتخب اراکین نے ترمیم کی اور دو کی بجائے ایک الگ ریاست ''پاکستان'' کے قیام پر اتفاق ہوا۔
وہ معلومات جنہیں اپ ڈیٹ کرنے کی ضرورت ہے				
			تاریخ6 تاریخ اشاعت: جنوری 2013ء پہلا ایڈیشن ناشر: کتابستان پبلشنگ کمپنی، 38 اردو بازار، لاہور	
نمبرشمار	صفحہ	سطر	حوالہ	تجاویز
1	65		باب نمبر5۔ سماجی وثقافتی ترقی۔ (711-1528 سن عیسوی)	نوٹ: اس باب کا عنوان ''سماجی وثقافتی ترقی'' (711-1528 سن عیسوی) ہے لیکن اس میں زیادہ زور تبلیغ اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو مسلمان بنانے پر دیا گیا ہے۔ اس باب میں مسلمان صوفیائے کرام اور اسلام کو پھیلانے میں ان کے کردار، دہلی کے بادشاہوں کے فن تعمیر، فن اور سائنس، فن خطاطی اور ترقی ثقافت وادب اور دہلی کے بادشاہوں کے نظام حکومت کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ تجویز دی جاتی ہے کہ اس باب میں متعلقہ مواد شامل کیا جائے۔
			انگریزی3 تاریخ اشاعت: 2014ء، پہلا ایڈیشن کوڈ نمبر: ؟E-111/348 (NP-2007) 2014 بلوچستان ٹیکسٹ بورڈ، کوئٹہ	
1	20	20-22	یونٹ نمبر2: قائداعظم محمد علی جناح نے سندھ مدرستہ السلام کراچی سے میٹرک پاس کیا۔ انگریزی جماعت پنجم۔ پہلا ایڈیشن 2014ء کوڈ نمبر: STE-514۔ ناشر: نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد یونٹ نمبر5، کمسن ہیرو۔ ارفع کریم رندھاوا اس کی نمایاں کامیابی کی بنا پر فیصل آباد میں اس کے آبائی گاؤں کو ایک ماڈل گاؤں بنایا جائے گا۔	محمد علی جناح نے سکول کی تعلیم گوکل داس تیج پرائمری سکول، کرسچن مشنری ہائی سکول اور سندھ مدرستہ الاسلام سے حاصل کی۔ جہاں سے انہوں نے میٹرک پاس کیا۔ ارفع کریم ضلع فیصل آباد کے ایک گاؤں چک 4 رام دیوالی میں پیدا ہوئی۔ اس کی نمایاں کامیابی کے بدلے میں اس گاؤں کو ایک ماڈل گاؤں میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ نوٹ: اس گاؤں کی تاریخ کو زندہ رکھنے کے لیے اس کا نام لکھنا ضروری ہے۔

(رپورٹ مرتب کردہ؛ پروفیسر انجم جیمز پال)

اقلیتیں

بلوچستان میں 35 گرجا گھر حساس قرار

کوئٹہ حکومت بلوچستان نے صوبے میں موجود گرجا گھروں کو حساس قرار دے دیا ہے۔ خیال رہے کہ اس سے پہلے 15 مارچ لاہور کے دو گرجا گھروں پر خودکش حملوں کے نتیجے متعدد افراد ہلاک اور زخمی ہو گئے تھے۔ تاہم اب انتظامیہ نے صورت حال پر قابو پا لیا ہے۔ محکمہ داخلہ کے ذرائع کے مطابق بلوچستان میں گرجا گھروں کی تعداد ساٹھ ہے جن میں پینتیس کو حساس قرار دے دیا گیا ہے۔ ذرائع کے مطابق گرجا گھروں کے سامنے حفاظتی انتظامات سخت کر دیے گیے ہیں جبکہ اقلیتی عبادت گاہوں کے سامنے پولیس اہلکار بھی تعینات کر دیے گیے ہیں۔ ذرائع کے مطابق مندروں کی سکیورٹی بھی بڑھا دی گئی ہے جن کی تعداد صوبے میں 76 ہے جن میں سے سولہ انتہائی حساس جبکہ انتالیس کو حساس قرار دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ عیسائی پاکستان کی 18 کروڑ کی آبادی کا تقریباً دو فیصد ہیں، جنھیں گزشتہ سالوں کے دوران توہین رسالت یا دیگر الزامات کے تحت نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ (نامہ نگار)

سانحہ لاہور کے خلاف مسیحی برادری کا احتجاج

اٹک سانحہ لاہور کے خلاف اٹک کی مسیحی برادری نے 17 مارچ کو احتجاجی ریلی کا انعقاد کیا۔ ریلی کی قیادت پادری جاوید جانسن، پادری اکرم جاوید گل، پادری حامد رضا اور پادری لال دین نے کی۔ ریلی یو پی چرچ سے نکالی گئی۔ احتجاجی ریلی میں ہیومن رائٹس اٹک سیوودی یوتھ آف پاکستان کی ڈائریکٹر شیریں اسلم، ایوب مٹو، شہزاد سلیم ممبر پی ٹی آئی کے علاوہ مسیحی برادری کی کثیر تعداد موجود تھی اس موقع پہ پولیس نے سخت حفاظتی اقدامات کر رکھے تھے۔ قبل ازیں یو پی چرچ میں سانحہ لاہور میں جاں بحق ہونے والے افراد کے لیے دعائیہ تقریب منعقد کی گئی۔ اس موقع پر پادری جاوید جانسن اور اکرم جاوید گل نے مسیح برادری سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم کسی عدالت یا حکمران کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ ہم خداوند کے کلام کی طرف دیکھ رہے ہیں کیوں کہ یہ کلام ہمیں محبت، بھائی چارہ رواداری قائم کرنے کا درس دیتا ہے۔ مسیحی برادری پاکستان میں امن وسلامتی کی دعا کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو لوگ اس سانحہ میں شہید ہوئے ہیں وہ بلند مقام پر پہنچ گئے ہیں، کیونکہ انہیں دہشت گردی کے ذریعے شہید کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ آج پاکستان میں مسلمان، عیسائی، ہندو، سکھ اور دوسرے مذاہب کے ماننے والے اپنی عبادت پولیس کی حفاظت کے بغیر نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا کہ سولہ دسمبر کے واقعہ کے بعد تمام مسیحی برادری نے چرچوں پر پچیس دسمبر کو چراغاں نہیں کیا کیوں کہ ملک کی فضاء مسلسل سوگوار ہے۔ ہم ان خاندانوں کے لیئے دعاء گو ہیں جن کے پیارے ان سے بچھڑ گئے اور زخمیوں کے لیے دعا کرتے ہیں کہ خداوند انہیں جلد صحت یاب کرے۔ پادریوں نے کہا کہ ہمیں سڑکوں پہ آنے کا شوق نہیں مگر ایسے واقعات ہمیں سڑکوں پر آنے پر مجبور کرتے ہیں۔ لیکن ہم پھر بھی پرامن ہیں اور امن کا درس دیتے ہیں اور پاکستان کی سلامتی کے لیئے دعاء گو ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دہشت گرد اس ملک کو تباہ کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ اپنے مذموم عزائم میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بعدازاں یو پی چرچ سے ایک احتجاجی ریلی نکالی گئی جس میں مسیحی برادری کے مرد وخواتین اور بچوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ ریلی کے شرکاء نے بینرز اور پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے جن پر سانحہ لاہور کی مذمت میں نعرے درج تھے۔ ریلی یو پی چرچ سے نکلی اور بس اسٹینڈ تک پہنچ کر پرامن طور پر اختتام پذیر ہو گئی۔

(راشد علی)

30 سالہ احمدی شخص قتل

کراچی 21 مارچ کو کراچی کے علاقے ملیر میں 30 سالہ نوجوان احمدی نعمان نجم کو نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ تفصیلات کے مطابق نعمان نجم ملیر میں اپنی کمپیوٹر ہارڈ ویئر کی دکان پر موجود تھے کہ دو نامعلوم افراد نے ان پر فائرنگ کر دی۔ فائرنگ کے نتیجے میں انہیں پانچ گولیاں لگیں۔ انہیں فوری طور پر ہسپتال لے جایا گیا مگر وہ جانبر نہ ہو سکے۔ ان کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی اور محض احمدی ہونے کی بنا پر ان کی ٹارگٹ کلنگ کی گئی۔ گزشتہ سال 11 احمدیوں کو عقیدہ کے اختلاف کی بنا پر قتل کیا گیا۔ ترجمان نے کہا کہ یہ قربانیاں ہمارے حوصلوں کو بلند کرنے والی ہیں۔ دشمن دہشت گردی کر کے ہمیں خوفزدہ نہیں کر سکتا نہ ہی ظلم وستم کے یہ افسوسناک واقعات احمدی برادری کے پایہ استقلال میں لغزش پیدا کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مخالفین کثیر تعداد میں ایسا نفرت انگیز لٹریچر شائع کر کے عوام میں تقسیم کر رہے ہیں جس میں احمدیوں کے بائیکاٹ سے لے کر انہیں قتل کرنے تک کی ترغیب دی جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ 1984ء کے امتیازی قوانین کے نفاذ کے بعد سے اب تک 250 افراد کو احمدی ہونے کی بنا پر موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ سفاک قاتلوں کو گرفتار کر کے قانون کے مطابق سزا دی جائے۔ (سلیم الدین)

سکول ٹیچر کو بازیاب کرایا جائے

حیدرآباد 13 مارچ کو پٹارو ضلع جامشورو کی مسیحی برادری نے نوجوان لڑکی کے اغواء خلاف حیدرآباد پریس کلب کے سامنے مظاہرہ کیا۔ لڑکی کی والدہ ثریا مسیح نے بتایا کہ ان کی بائیس سالہ بیٹی رضیہ مسیح علاقے کے نجی سکول میں بچوں کو پڑھاتی ہے اور وہ 7 مارچ کو صبح گھر سے کسی کام کے لیے نکلی تھی لیکن پھر واپس نہیں آئی۔ پولیس ابھی تک ان کی بیٹی کو بازیاب نہیں کرا سکی۔ انہوں نے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ ان کی بیٹی رضیہ مسیح کو بازیاب کرا کر انہیں انصاف فراہم کیا جائے۔

(لالہ عبدالحلیم)

ہندو شخص کو اغواء کر لیا گیا

قلات صوبہ بلوچستان کے ضلع قلات میں اغواء برائے تاوان اور دیگر جرائم روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں، خاص طور پر ہندو اقلیتوں کے افراد کو اغواء کیا جاتا ہے اور اغواء کار بھاری تاوان لینے کے بعد چھوڑ دیتے ہیں۔ 16 مارچ کو ایک ہندو شخص سرجیت کمار اور اس کا ساتھی موٹر سائیکل پر شہر سے واپس گھر آ رہے تھے کہ راستے میں دو گاڑیوں میں سوار مسلح افراد نے انہیں روک کر موٹر سائیکل کے کاغذات چیک کرنے کے بعد دونوں کو زبردستی گاڑی میں بٹھا کر لے گئے جبکہ راستے میں اس کے ساتھی کو چھوڑ دیا اور سرجیت کمار کو اپنے ساتھ لے گئے۔ کور گروپ کی ٹیم نے ہندو کمیونٹی کے ساتھ ملاقات کی تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے سٹی تھانہ قلات میں نامعلوم افراد کے خلاف مقدمہ درج کروایا اور تھانے کے سامنے دھرنا دیا۔ پولیس نے یقین دہانی کرائی کہ مغوی کی بازیابی کے لیے اقدامات کئے جائیں گے۔

(محمد علی)

جہد حق پڑھنے والوں کے خطوط

ایڈیٹر کے نام خط

راولپنڈی میں آپ کو کچھ گزارشات بھیج رہا ہوں۔اُمید ہے آپ ان کو سمجھ کر کوئی مناسب حکمت عملی اختیار فرمائیں گے۔ملک میں عام قتل کے مقدمات میں سزائے موت پر عمل درآمد کو روکا جائے۔اسکے لیے ایک آگہی مہم شروع کرنے کی ضرورت ہے۔حکومتی ایوانوں کو ان حقائق کی روشنی میں قائل کیا جائے۔19-03-2015 کو قتل کے مقدمے میں صوبیدار رب نواز اور طالب حسین کو پھانسی دی گئی۔اُن کی سزا پر 23 سال 3 ماہ اور دس دِن بعد عمل درآمد ہوا۔ایک اور قیدی راجہ مشتاق ولد علی بہادر گوجرانوالا جیل میں 30 سال گزار چکا ہے اور پھانسی کا منتظر ہے۔یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کونسی شریعت یہ سزا تجویز کرتی ہے؟ لوگوں کو پتہ ہی نہیں کہ جیلوں میں کیا حالات ہیں۔پاکستان میں انصاف ملتا نہیں خریدنا پڑتا ہے۔ہمارا عدالتی اور قانونی نظام ناقص ہے۔ان حالات میں اتنی سنگین سزائیں فوراً بند کی جائیں۔ملک میں امن وامان کے لیے ملک دشمن عناصر کے خلاف سزاؤں پر ضرور عمل درآمد ہو مگر ذاتی تنازعات میں اس سزا کو فی الفور روکا جائے۔ہماری عدلیہ اس بات کو تسلیم کر چکی ہے کہ پولیس کا تفتیشی نظام ناقص ہے، اور عدالتی فیصلوں کا سارا دارومدار ہی تفتیش پر ہے۔اسکے علاوہ جو حقائق آپ کی نظر میں ہوں وہ بھی شامل کریں۔میں ایک بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ایک تھانے کے سب انسپکٹر کو چند ہزار رشوت دیکر آپ پر بھی 9C منشیات کا پرچہ کاٹا جائے تو یقین جانیں کہ اگر آپ اپنا ذاتی اثر ورسوخ استعمال نہ کریں تو سپریم کورٹ تک کوئی عدالت آپکو بے گناہ ہونے کے باوجود سزا سے نہیں بچا سکتی۔اس خط کے ذریعے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ سچ تو یہ ہے، وہ نہیں جو حکومت کہہ رہی ہے۔

(خیر اندیش سہیل رفیق CP 3/4 سینٹرل جیل راولپنڈی)

واپڈا کی نجکاری کے خلاف احتجاجی دھرنا

ٹنڈو محمد خان ہائیڈرو الیکٹرک ورکرز یونین سی بی اے کی جانب سے ٹنڈو محمد خان ڈویژن آفس میں واپڈا کو مختلف کمپنیوں میں تقسیم کر کے اس کی نجکاری کرنے کے خلاف 3 مارچ سے دھرنا دیا اور احتجاج کیا۔ہائیڈرو ورکرز کا کہنا تھا کہ واپڈا کی نجکاری نہ صرف ورکرز کے لیے مسئلہ ہے بلکہ واپڈا کی نجکاری سے قومی اداروں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ورکرز کو موت کے منہ میں ہاتھ ڈالنا ہوتا ہے۔ایسے خطرناک کام کرنے والے ورکرز کو ان مشکلات کے علاوہ ملازمت سے متعلق دیگر سہولیات بھی میسر نہیں۔بجلی جیسے خطرناک کام کرنے والے ورکروں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے اور ان کو تمام مراعات فراہم کی جائیں۔ان کا مزید کہنا تھا کہ بجلی کے بلوں میں مختلف ٹیکس لگائے جاتے ہیں۔جس سے عام آدمی کی تنخواہ کا ایک بڑا حصہ بجلی کے بلوں پر صرف ہو جاتا ہے۔ان کا مزید کہنا تھا کہ واپڈا کی پرائیوٹائزیشن اور ملازمین کو وہ تمام سہولیات فراہم کی جائیں جن پر ان کا حق بنتا ہے۔

(ٹنڈو محمد خان)

شہر کی تمام سڑکیں تباہ حال

بارکھان ضلع بارکھان میں شہر کی تمام سڑکیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔خاص طور پر رکھی سے بارکھان روڈ پر بڑے بڑے گڑھے بن چکے ہیں۔بارکھان کے عوامی وسماجی حلقوں کا کہنا ہے کہ بارکھان شہر کی تمام سڑکیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔خاص طور پر رکھنی تا بارکھان روڈ پر بڑے بڑے گڑھے بن چکے ہیں۔کئی سالوں سے نہ تو سڑکوں کی تعمیر ہوئی ہے اور نہ مرمت، جس کی وجہ سے عوام اور ٹرانسپورٹرز مشکلات کا شکار ہیں۔صوبائی حکومت اور وزیراعلیٰ سے بارکھان ضلع میں سڑکوں کی حالت پر توجہ اور تعمیر ومرمت کرنے کی درخواست کی جاتی ہے۔

(غلام قادر)

نادرا میں غریبوں کے لیے مشکلات

چمن 19 فروری کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے پانچ رکنی وفد نے چمن کے نادرا آفس کا دورہ کیا۔چمن شہر کے مکینوں عصمت اللہ، احسان اللہ اور محمد ولی نے ایچ آر سی پی کروگروپ چمن کے وفد کو بتایا کہ نادرا آفس چمن میں بااثر لوگوں کے شناختی کارڈ و بن رہے ہیں اور بااثر لوگوں کو ٹوکن جلد ہی ملتے ہیں۔لیکن غریبوں کو کئی دنوں بعد ٹوکن ملتے ہیں۔اور بہت سے سوالات کے بعد حتیٰ کہ دو سال کے بچے کے اندراج کے لیے نادرا آفیسر 1974ء کے ثبوت مانگ رہے ہیں۔اہلیان چمن نے نادرا کے اعلیٰ حکام اور حکومت بلوچستان سے پرزور اپیل کی کہ چمن میں مزید دو سینٹرز قائم کیے جائیں اور نادرا آفیسر وعملہ کے ناروا رویہ کا بھی نوٹس لیا جائے۔

(محمد صدیق)

شاہراہ کی جلد از جلد تعمیر کا مطالبہ

چمن کوئٹہ تا چمن انٹرنیشنل ہائی وے گزشتہ چودہ برسوں سے زیر تعمیر ہے۔اور تعمیر کا کام سست روی کا شکار ہے جس کی وجہ سے چمن کے عوام شدید مشکلات سے دوچار ہیں۔شاہراہ پر تین گھنٹوں کا راستہ 6 گھنٹوں میں طے ہوتا ہے۔اہلیان چمن نے کئی بار احتجاج کیا ہے لیکن حکومت کے اعلیٰ حکام نے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

(محمد صدیق)

سوئی گیس کی فراہمی کا مطالبہ

میرپور آزاد وجموں کشمیر کے شہریوں پر مشتمل تحفظ حقوق کمیٹی نے 8 فروری کو میرپور میں ایک اجلاس منعقد کیا اور میرپور کے مسائل پر تبادلہ خیال کیا جن میں سرفہرست سوئی گیس کی عدم فراہمی کا مسئلہ تھا۔شرکائے اجلاس چوہدری فیصل خالق، رضوان کرامت، سجاد، احمد مغل، چوہدری مدثر، بلال حسین، سردار راشد حسین، ناظم حسین، زین العابدین اور دیگر افراد کا کہنا تھا کہ انتظامیہ کی طرف سے گزشتہ 15 برسوں سے میرپور شہر کو گیس کی فراہمی کے وعدے کئے جا رہے ہیں، مگر ان پر عملدرآمد نہیں کیا جا رہا۔حکومت وقت اس مسئلے کا سنجیدگی سے نوٹس لے اور اس کے حل کے لیے فوری اقدامات کرے۔اجلاس کی صدارت راشد محمود ایڈووکیٹ نے کی تھی۔

(راشد میر)

Members of the Zikri community compare these developments with the early days of widespread targeting of the Shia Hazaras in the province and apprehend that similar brutalities might befall them as well.

injuring another seven. These attacks caused panic among the community, fuelling fears that the violence could grow and engulf them in the same manner as it had targeted Hazaras over the last decade.

Members of the Zikri community have said that threatening messages had been inscribed on the walls in Awaran in the days ahead of the August attack. The messages had reportedly threatened Zikris and Hindus with death unless they "converted to Islam".

Members of the community have complained that incidents of discrimination against Zikris were becoming more frequent. They consider it part of a plan to persecute them based on their religious faith. Migration of a large number of Zikris from the province has been reported after the 2014 attacks.

There has been no headway in reaching those who launched these attacks or made threats against the community. There are those who argue that amid an insurgency in parts of Balochistan, the plight of and attacks on members of a small sect might not rate very high on the official priorities list.

Irrespective of who might be behind the attacks, religious minorities in Balochistan have been targeted increasingly frequently in recent years. Besides, the Hazaras, and now Zikris, Hindus have also faced problems. Hindus have particularly complained of intimidation and abduction. The failure to confront this increasing insecurity has contributed to members of these communities migrating in large numbers, representatives of the affected communities say.

It is not too difficult to understand why some members of the Zikri community compare these developments with the early days of widespread targeting of the Shia Hazaras in the province and apprehend that similar brutalities might befall them as well.

The Zikris who have shared their concerns with the Human Rights Commission of Pakistan also state that, unlike the Hazaras, they often reside in remote areas where media access is limited at best. They believe that their concerns have not be adequately framed or articulated by the media so far because of their remote location. They also say that Zikris are a generally poor community and it is not possible for most of these people to pack up and move to a safer place, leaving behind what little they have in their native areas.

This context of increasing violence, intimidation and discrimination and the fact that none of the people involved in the attacks on the Zikris have been brought to justice has made the community more jittery.

The situation demands that the authorities take urgent steps to reassure the community that it would do everything within its power to not only hold the perpetrators of these attacks to account, but would also prevent further attacks.

The situation also calls for a greater role by civil society organisations to closely monitor the situation. The role of the media in particular in raising the concerns of the community and helping look for answers to their plight cannot be stressed enough.

Rather than merely reacting to these worrying developments, the government must also become more proactive in the face of heightened efforts to alienate certain communities and must ensure that citizens everywhere are able to exercise religious freedoms. Imaginative efforts aimed at confronting intolerance and fostering interfaith harmony and understanding must also be part of the larger effort to root out faith-based violence in Balochistan. ***– Correspondents***

Zikris fear the worst amid targeted attacks

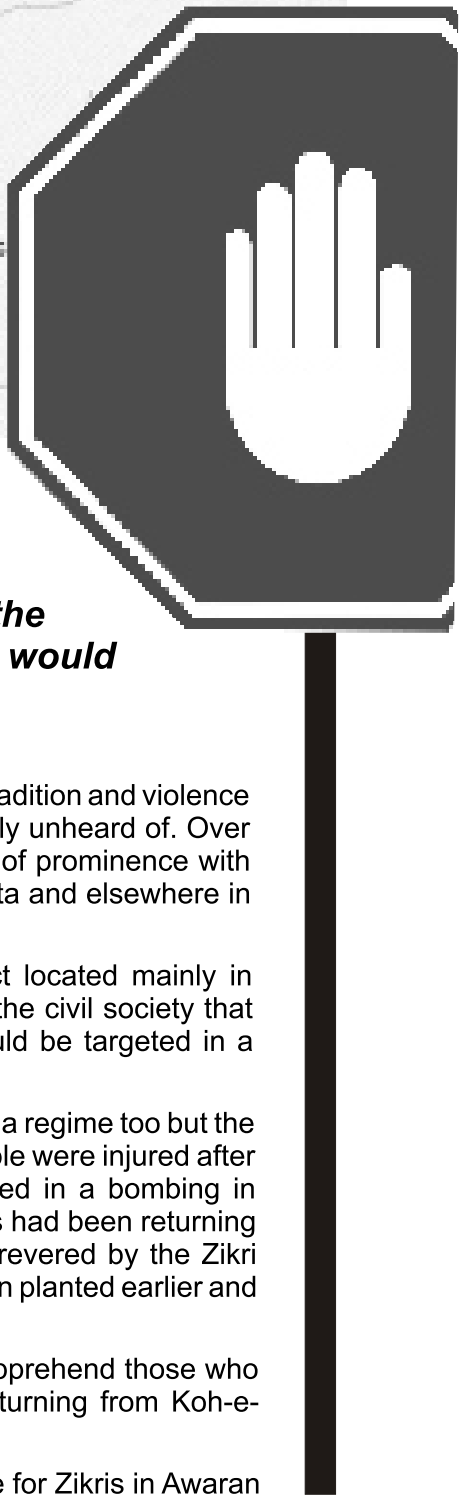

The situation demands that the authorities take urgent steps to reassure the Zikri community that it would do everything within its power to not only hold the perpetrators of these attacks to account, but would also prevent further attacks.

Once not that long ago Balochistan was known for its tolerant tradition and violence against minority religious sects and denominations was largely unheard of. Over the last decade, however, Balochistan has occupied a place of prominence with respect to faith-based violence, with the Shia Hazara in Quetta and elsewhere in the province being the most frequent victims.

Some recent attack and threats against Zikris, a small sect located mainly in Balochistan, have caused alarm among the community and the civil society that these assaults could be early signs that this community could be targeted in a manner similar to Hazaras.

Although Zikris have faced faith-based challenges under the Zia regime too but the latest concerns were first raised in July 2014 when seven people were injured after a bus carrying members of the Zikri community was targeted in a bombing in Khuzdar, a district in central Balochistan. The bus passengers had been returning after performing religious rituals at the Koh-e-Murad, a site revered by the Zikri community, in Turbat town. The explosives had apparently been planted earlier and were detonated by remote control when the bus arrived there.

The community had called for steps to protect them and to apprehend those who had orchestrated the attack on the bus carrying pilgrims returning from Koh-e-Murad.

In August 2014, unidentified gunmen stormed a worship place for Zikris in Awaran district, in the south of the province, killing six members of the community and

When being a suspect's relative is a crime

Excesses by police and the security forces against individuals suspected of crime have

Torture and mistreatment

The complaints of police excesses were more common in some districts than in others. In Dadu, on February 10, during a raid on a house to arrest two men police was alleged to have beaten up women and children. On February 23, in the same district, the police raided a house in a village to pick up three suspects and beat up the women. On April 2, while arresting two men from a house at midnight, the police beat up and mistreated women and children. On April 19, after raiding a house, the police broke a suspect's arm and beat up women and children. On May 1, a suspect and women and children in his house were injured reportedly for resisting his arrest. On June 8, after raiding a house and not finding a suspect there, the police beat up the women and children. A nine-year old girl was beaten so severely that her arm was fractured.

The victims complained to a deputy superintendent police but he rejected that such an incident had taken place. On July 8, the police raided the house of a man to arrest him and tortured his family and servants when they did not find him there. On July 11, the police raided another house in Dadu district to arrest a suspect and beat up his family when they tried to resist. On July 26, the police went to the house of a taxi driver to arrest him and roughed up his family because they tried to stop them. On August 7, some policemen raided a suspect's house and while arresting him beat up some of his family members so hard that they had to be hospitalised. On August 10, the police reportedly beat up eight family members of a suspect who was not at home at the time of a raid. The police acknowledged raiding the house but denied beating up anyone. On September 1, the police raided a village in search of a suspect and beat up 10 men while arresting him. On the same day, in another raid in a different village, the police beat up the family of a man and a woman who were arrested.

In Badin, Sindh, on April 18, three policemen raided a house to arrest a physically challenged man. In addition to hitting him, they also beat up his mother and two sisters.

In Abbotabad, Khyber Pakhtunkhwa, the police raided the house of a wanted man on May 8. He was beaten so harshly that one of his legs was broken. His mother and sisters were also beaten when they tried to stop them. The man fell unconscious and had to be hospitalised. The family filed a complaint with the district police officer who ordered an investigation.

In Naushero Feroze, Sindh, on May 8, a suspect and several of his family members were beaten up for resisting his arrest. On June 2, the police picked up two boys who studied in the 9th grade during a raid at a village. They also beat up their family members for putting up resistance. The villagers held a demonstration and filed a complaint against the station house officer (SHO). On July 20, police raiding a suspect's house beat up two women. The victims also accused the police of taking away gold jewellery.

In Shikarpur, Sindh, on July 7, police raided the house of a man and beat him and his mother. The police kept demanding that they hand over a girl who had eloped with a member of the victims' family.
In Jacobabad, Sindh, on May 19, a school teacher was stopped on a road by the police and beaten up during questioning about his cousin whom the police suspected of a crime.

Although this is not an exhaustive list of police mistreatment and torture of suspects' family members in 2014, the highest number of cases during the year was reported from Sindh. Such tactics were often aimed at extracting information regarding suspects' whereabouts or at pressurizing suspects to surrender. The incidents expose a clear lack of effective oversight mechanisms. It seemed that complaints of police highhandedness led to probes being ordered only in cases where the affected individuals were able to assemble a large number of people for public protests. Ensuring independent probes of such instances rather than mere departmental inquires is vital to put an end to the impunity that allows police to continue such illegal practices.

– Correspondents

When being a suspect's relative is a crime

Excesses by police and the security forces against individuals suspected of crime have unfortunately not been uncommon in any part of the country. Human rights organisation have long expressed concern over the manner in which the citizens coming into contact with the law enforcement agencies are routinely treated and stressed that the forces' behaviour needs to be improved to reflect respect for human rights and due process.

As part of more focussed monitoring of the human rights situation in the areas that HRCP considered critical because of violations by organised actors, in 2014 HRCP monitors in the field recorded several instances of police and security forces beating up and torturing families of suspects during raids and arrests and sometimes relatives of suspects were also arbitrarily detained.

In some cases relatives of a suspect were mistreated and tortured during questioning following a raid on their premises. This usually happened when police raided a house to arrest a suspect and not finding him there got hold of his family members either for interrogation or in a bid to pressurise the suspect to surrender. During the questioning, the family members were sometimes also subjected to torture and forced to share information on the suspect's whereabouts. In some cases, the police beat suspects' relatives because they were trying to prevent a suspect's arrest.

2014: Incidents involving torture and arbitrary detention of suspects' families by LEAs

Selected districts in	*Torture*	*Arbitrary detention*	*Total*
Khyber Pakhtunkhwa	1	0	1
Balochistan	0	0	0
Gilgit-Baltistan	0	0	0
Interior Sindh	22	4	26
South Punjab	0	0	0
Total	23	4	27

The total reported incidents involving beating and torture of suspects' families at the hands of the law enforcement agencies' personnel in 2014 was 23. There were also four cases of arbitrary detention of family members of the individuals that the police had been looking for. Most of these incidents were reported from Interior Sindh.

Arbitrary detention

In Dadu, Sindh, on June 7, the police raided a house around midnight to arrest a man. However, the suspect and some of the other family members resisted and were beaten up and injured by police. The police arbitrarily detained some of the suspects' family members.

In Sukkur, Sindh, the police raided a village on the night of August 8 to apprehend a suspect. When he was not found there they picked up eight of his family members and brought them to the police station. The following day, three of them were killed in a reportedly staged encounter and the other five released.

In Sukkur, on November 26, police raided village Nara Pati in order to arrest a person suspected of theft. When they did not find him, police took into custody seven of his family members, destroyed their house and beat up women and children.

On May 19, a traffic police officer was killed when perpetrators opened indiscriminate fire on him. No one claimed responsibility. The same month, a constable of Zareenabad police station was shot and killed by unidentified assailants on a motorbike. He was on duty and standing outside the police station when he was targeted. Another attack targeted Awami Nation Party (ANP) leader Anwarul Haq near Kohati Gate Wazir Bagh Road. He was sitting at his shop with a friend when unidentified assailants shot and killed him. In the same month, an explosion occurred at the gate of a boys school at six in the morning. However, the school was not open at the time and no one was hurt.

On July 3, unidentified attackers threw hand grenades into the house of a member of the National Assembly from Pakistan Tehreek-e-Insaf (PTI) Khayal Zaman in Hayatabad locality. He had been receiving threatening messages for some time. No one was injured in the attack. On July 8, a remote-controlled bomb explosion at a police check-post injured two policemen. No claim of responsibility was made. On July 18, policemen assembled at a restaurant near University Road were shot at by unidentified men. Four policemen were killed and two men, including hotel staff, were injured. On July 20, two private guards were shot and killed by unidentified assailants.

On September 4, a personnel of the Frontier Corps paramilitary force was shot and killed by unidentified assailants on a motorbike. On September 14, a patrol vehicle of the Badbheer police station was attacked by a militants group known as Maulvi Group. Two policemen were killed.

On October 3, an assistant sub-inspector (ASI) of police was shot and killed by unidentified assailants. He was taking his children to school when he was attacked.

On November 8, militants of the TTP fired on a police vehicle in the jurisdiction of Badbheer police station. A special forces constable was killed and security forces' firing caused the death of one of the attackers.

On December 8, a worker of religio-political party Jamiat Ulema-e-Islam-Fazl (JUI-F) was shot and killed by unidentified motorcyclists when he was going to a madrassa. No one claimed responsibility but it was believed that his political affiliation was a factor. On December 20, an army convoy headed for Khyber Agency in FATA via Warsak Road in Peshawar was targeted in a remote-controlled bombing. Two personnel died. The assailants remain unidentified.

A number of attacks targeted members of religious minorities in Peshawar.

A total of eight so-called honour crimes were also reported from Peshawar during the year under review. Five men and five women were killed in these incidents.

The statistics make it evident that security personnel were very vulnerable to attacks by militants. Places of worship and schools were also targeted frequently. The most devastating attack of the year in Peshawar, and indeed anywhere in the country, was that on the Army Public School which came towards the yearend.

Far be it for a HRCP to suggest ways to reclaim the city from the throes of violent crime and unabated acts of terrorism, but the tack employed so far does not inspire confidence. It is time for the governments, both federal and provincial, to reflect what needs to change and to share with the people their plan to secure the city.

Peshawar: the wounded heart of Khyber Pakhtunkhwa

The war on terror has exacted a high toll across the length and breadth of Pakistan. But some regions and areas have clearly suffered more than others. In 2014, Peshawar faced several brazen militant attacks including the attack on Army Public School, which inflicted the highest death toll for a single terrorist attack in Pakistan's history.

On December 16, seven militants belonging to the Tehreek-e-Taliban Pakistan (TTP), who were in security forces' uniform, attacked the military-run Army Public School, where children of civilians also studied. The attackers killed around 150 people, including 135 schoolchildren. The outrage over the attack and targeting of children led to demands for eliminating from the country of all militant extremist groups. The demands were made even by quarters that had previously not been very outspoken in that regard.

2014: Reported breach of human rights in Peshawar						
Targeted attacks	Attack on place of worship	'Honour' crimes	Suicide attack	Attack on religious minorities	Attack on educational institutions	Total
28	2	8	2	3	2	45

However, this was just one of the many attacks by militants in Peshawar. A total of 28 targeted attacks were reported from the provincial capital in 2014. Victims of these attacks included policemen, educational institutions, religious minorities and their places of worship, polio vaccinators, members of political parties, and security forces personnel.

The nature of violence was such that at times it was difficult to distinguish among terrorist strikes, common crime and other breach of human rights.

In January 2014, in the Scheme Chawak area of Peshawar, a stolen car recovered by police and parked in a workshop exploded killing six persons. It later emerged that the police had left the car at the workshop for repairs and had failed to notice that the vehicle was laden with explosives.

In February, suicide attacks on two separate cinemas occurred in Peshawar. The first attack, on Picture House at Kissa Khwani on February 2, killed five persons and injured 31 others. On February 11, twelve people were killed in the second attack, on Shama Cinema. No claim of responsibility was made.

In two targeted attacks in Peshawar in March, the Taliban militants planted bombs near the houses of two men who had refused to yield to their extortion demands. The bombs caused extensive damage to the two houses. In the same month, a number of polio vaccinators were also threatened and attacked by unidentified militants in Peshawar. However, there were no casualties.

In April, around 20 militants belonging to TTP Bara Group targeted a police vehicle, killing one policeman and injuring another two. In another attack in Peshawar, constable was killed and another injured when a remote-controlled bomb targeted security officials.

orchestrated the August 2011 violence and the quantum of their sentence amounted to victimisation.

There have been other instances of activists being charged with a range of serious offences following peaceful assembly, or assembly that had started out as peaceful and remained so until law enforcement agencies intervened.

On October 18, 2014, 10 human rights activists and political workers protested against the arrest of Baba Jan and 11 others in front of the UN Military Observer Group in India and Pakistan (UNMOGIP) office in Gilgit. The protesters demanded their release and an end to the application of the Anti-Terrorism Act in Gilgit-Baltistan. The protestors chanted slogans against the government and were subsequently booked for sedition. On October 22, a sessions court granted bail to the political workers because the police had failed to follow the procedure under the law to book a person on the charge of sedition.

On January 25, 2015, a social worker and a candidate for the GB Legislative Assembly elections from Diamer district was booked under Pakistan Penal Code (PPC) sections 120-B (punishment for criminal conspiracy), 124-A (sedition), 188 (disobedience of order by duly authorised public servant), 500 (punishment for defamation), 504 (insult with intent to provoke breach of peace), 505 (statement intended to cause public mischief) and 506 (punishment for criminal intimidation) for criticising an intelligence agency officer in his speech during a demonstration. A case was registered against him on the application of an assistant magistrate. He was arrested but released the same day following a civil society protest in Chilas. He was rearrested and sent to a judicial lockup a couple of days later. He was released on bail after three days. As a leader of a group agitating for people's rights, he had been organising protests on issues such as electricity load shedding and high fees charged at government hospitals.

Booking activists and those engaged in peaceful assembly in Gilgit-Baltistan has understandably raised civil society concerns, which has cautioned that strong-arm tactics aimed at discouraging dissent and curtailing people's right to assembly could prove counter-productive.

On February 22, 2015, as many as 19 political and social activists were charged with sedition in Gilgit under PPC sections 34 (criminal act by several persons in furtherance of common intention), 123-A (condemnation of the creation of the state and advocacy for abolition of its sovereignty) and 124-A. The activists had made speeches at an event titled 'Gilgit-Baltistan in the light of the Kashmir dispute', which was organised by All Parties National Alliance (APNA) in collaboration with Karakoram National Movement (KNM). The accused were facing trial in Gilgit.

Booking activists and those engaged in peaceful assembly in Gilgit-Baltistan has understandably raised civil society concerns, which has cautioned that strong-arm tactics aimed at discouraging dissent and curtailing people's right to assembly could prove counter-productive.

A look at experiences around the world demonstrates that unnecessary use of the state's coercive force only leads to discontentment and distrust of the government. The authorities would be well advised to heed the lessons of history that dissent and demands from the citizens are best dealt with through engaging them and heeding their voice. There is an urgent need to understand why people feel compelled to take their quest for justice and accountability of government actions to the roads and to allay their concerns.

The law enforcement agencies also need to be trained in crowd management techniques which do not rely on baton or tear gas. Mechanisms should be devised to ensure that things do not reach boiling point and the citizens feel that they would be granted audience with the decision makers and their legitimate demands would be fulfilled without taking to the streets. The authorities need to demonstrate greater respect for people's right to protest, to disagree with the decisions made by the government and the manner in which those are made and to demand transparency and accountability. In that spirit, the cases against and conviction of activists like Baba Jan need to be reconsidered.

Freedom of assembly and expression in Gilgit-Baltistan

Despite vociferous demands by the people spanning nearly seven decades, the region of Gilgit-Baltistan in the northern part of Pakistan is yet to get the status of a full federating unit akin to a province. The Gilgit-Baltistan Empowerment and Self Governance Order 2009 that was touted as giving the region a self-governing status fell short of the people's expectations. The people believe that Gilgit-Baltistan being considered a part of the Jammu and Kashmir dispute is the reason for denial of a province-like status for this region.

Gilgit-Baltistan has been in the news of late for the manner in which public events and protests, especially those by political activists, have been dealt with. Concern has been raised over the authorities' response that has come in the form of restrictions on assembly, detention and lodging of cases under the penal code and an anti-terrorism law.

The most well known case has been that of Baba Jan and 11 other progressive individuals in Gilgit-Baltistan who were arrested in 2011 following rioting in Hunza and were sentenced in 2014 to life imprisonment by an Anti-Terrorism Court .

The case against them stems from an August 2011 protest in Hunza-Nagar district where demonstrators had set fire to several government buildings. That protest had started with the closure of a road to demand payment of compensation for the Attabad disaster affectees. In January 2010, the Attabad village had been annihilated and 20 villagers killed in a massive landslide which had also blocked the flow of the Hunza River. The rising water had inundated four villages and displaced thousands of people.

During the August 2011 protest, the road that had been blocked was to be used by a convoy of then chief minister of the region. When the police tried to disperse the crowd, the protesters clashed with policemen, who opened fire that led to the killing of two protestors. Several people, including policemen, were injured.

Voices have been raised in Gilgit-Baltistan and beyond to emphasise that the jailed activists had not

A life imprisonment – a lifetime bondage: Baba Jan with policemen during his trial.

OUT in April 2015

Contact

Aiwan-i-Jamhoor, 107- Tipu Block,
New Garden Town,
Lahore-54600-Pakistan
Tel: (92) (42) 35864994, 35838341, 35865969
Fax: (92) (42) 35883582.
Complaint Cell: (92-42) 35845969 -
Mobile 0333-2006800
E-mail: hrcp@hrcp-web.org
Website: www.hrcp-web.org

A glimpse of the consultation.

authorities created obstacles in HRDs' work in many cases.

There was a consensus that freedom of information was an integral part of the freedom of expression and was vital for realization of all human rights. The participants noted some progress, mainly in the form of appointment of information commissioners in Khyber Pakhtunkhwa and Punjab and codification right to information laws. However, they said that the creation of law had not cured old habits of those in authority trying to keep information from the people. Refusal to release judicial and other inquiry commissions' reports on violent incidents in Balochistan and Gilgit-Baltistan were cited as examples of lack of commitment to the sprit of freedom of information. The participants stated that denial of access to information had an impact on the credibility and effectiveness of human rights defenders' work. The security of rights defenders was referred to as a major area of concern. The participants stated that an ever growing number of banned outfits were not being prevented from carrying out their activities in the country and were a great source of insecurity for human rights defenders who reported their excesses. Concern was raised that the human rights defenders remained exposed to grave threats not only from non-state actors, but also on account of the acts and omissions of state functionaries.

Many participants shared accounted of threats given to them on account of their work. It was recommended that special mechanisms should be devised to respond to the threats to the lives and security of rights defenders and the security agencies should be directed to address the threats on priority. The participants also suggested formation of an emergency fund that could be utilized to temporarily relocate human rights defenders facing imminent danger on account of their work.

It was concluded that while the recommendations covering access to information had been partially implemented in some parts of the country, other recommendations in that respect and with regard to the work of human rights defenders and freedom of expression had not been heeded. The participants advised urgent attention to implementing the recommendations in view of the fact that half of the four-year period before the country's next UPR had already passed and many recommendations remained unimplemented with only two more years to go.

UPR commitments: defending rights and freedom of expression

On March 3, 2015, the Human Rights Commission of Pakistan (HRCP), in collaboration with the International Commission of Jurists (ICJ), held a consultation to assess the status of implementation of the recommendations made to Pakistan the Universal Periodic Review (UPR) in 2012 with regard to human rights defenders and freedom of expression in the country.

The UPR is a periodic review of the human rights record of each member state of the United Nations. It offers an opportunity for the state to report on actions it has taken to improve the human rights situation and to overcome challenges to the enjoyment of human rights. Pakistan's second review under the UPR had taken place in October 2012.

The March 3 consultation in Lahore was the last of five such events organised by HRCP and ICJ to ensure greater accountability of the government of Pakistan to deliver on its human rights commitments under the UPR. The five consultations aimed to increase civil society engagement with the UPR process, by seeking their feedback on the status of implementation of the recommendations that Pakistan had accepted and by jointly identifying areas for further action by the state. The five consultations were aimed at preparing a mid-term implementation report on the recommendations accepted by Pakistan in its 2012 UPR related to the following thematic areas: women's rights; rights of the child; rights of religious minorities; enforced and involuntary disappearances; and human rights defenders and the freedom of expression.

Noted human rights activist Hina Jillani, who had also served with the United Nation as special representative of the secretary-general on human rights defenders, chaired the March 3 event held in Lahore.

The consultation was attended by representatives from civil society, academia and human rights organisations from across Pakistan. The organizations represented at the consultation included Khwendo Kor (Peshawar), SAWERA (FATA), Punjab Information Commission, Bytes for All, Insaan Dost (Kasur), Anjuman-e-Mazareen (Okara), National Commission for Justice and Peace. Activists including Mir Muhammad Ali Talpur and Naeem Shakir advocate also joined the deliberations.

Based on the recommendations issued to the Government of Pakistan in the UPR outcome document, the consultation was divided into sessions on legal and institutional support for HRDs; security and protection for rights defenders; freedom of expression; and the right to information.

During the first session, the participants highlighted laws that curtailed the freedom of human rights defenders to speak out and act in defence of human rights. It was recommended that such laws must be amended. They said that if reasonable justification was cited for retaining such laws, strict oversight mechanisms should be introduced to check abuse. It was emphasised that unless rights defenders joined hands and systematically worked together they would not be able to draw the authorities' attention to issues pertaining to their work.

Representatives of labour organisations recounted their experience of being harassed and booked in false cases by law enforcement agencies for demanding the legally mandated minimum wage. They also spoke of obstacles in both law and practice to the formation of unions to agitate for workers' rights. The participants also cited registration of cases against rights defenders on sedition charges, jail sentences and threats. With respect to activists in Balochistan, restriction on freedom of movement and disappearances were raised as concerns for rights defenders. The participants said that rather than creating a safe working environment for human rights defenders and prosecuting those who restricted their freedoms, the

Human Rights Commission of Pakistan
جہدحق Monthly JEHD-E-HAQ

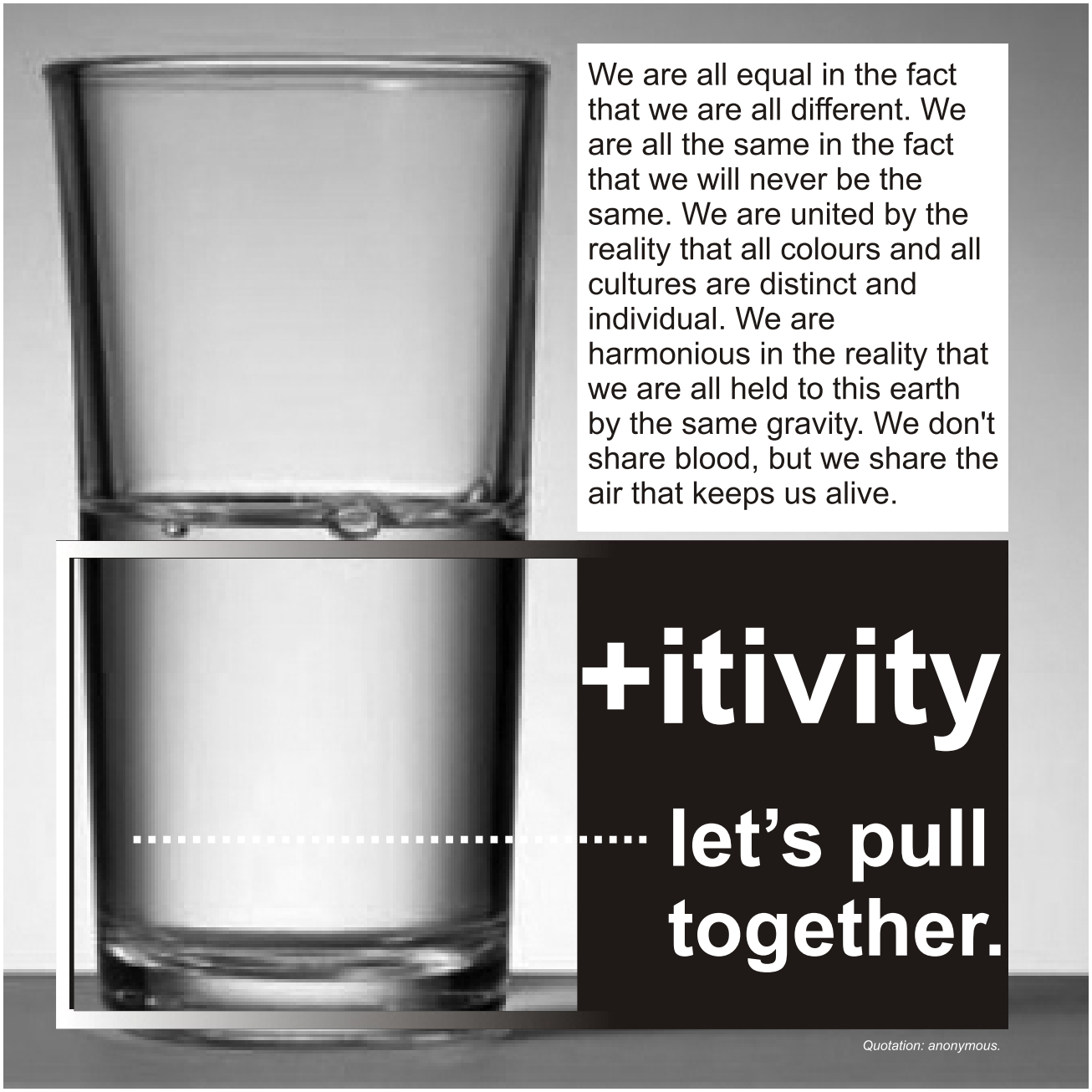

Monthly JEHD-E-HAQ - April 2015 - Registered No. CPL-13
جلد نمبر22......شمارہ نمبر04......اپریل 2015......قیمت 5روپے

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوان جمہور'' 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15